

# شمس الاسلام

ماہنامہ

## مجلس مرکزیہ

حزب الانصار کی ستائسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

## \* کانفرنس \*

قارئین شمس الاسلام کو اس مژدہ جانفزا سے خورسند کیا جاتا ہے کہ حزب الانصار کی ستائسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بتاریخ ۸-۹-۱۰ مارچ ۵۷ مطابق ۵-۶ شعبان ۱۳۷۶ بموافق ۲۵-۲۶-۲۷ بھاگن سمت ۲۰۱۳ بروز جمعہ ہفتہ ۱- توار کو انشالہ العزیز جامع مسجد بھیڑہ میں منعقد ہوگی جس میں مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف لائیں گے مندرجہ بالا تاریخوں کو نوٹ فرمالیں - خود بھی شامل ہوں اور اپنے دوستوں کو جلسہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں -

غلام حسین ناظم مجلس استقبالیہ حزب الانصار بھیڑہ (پاکستان)

## تحت ادارہ

غلام حسین } امیر حزب الانصار بھیڑہ  
مدیر مسئول } مولانا الحاج افتخار احمد بکوی } سالانہ چنڈہ  
(پاکستان)



سالانہ چندہ

عوام سے ۳۰/-  
طلبہ سے ۱۰/-

سالانہ چندہ

معاویین سے ۵۰/-  
غیر مالک سے ۳۰/-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِٖ وَسَلِّمْ  
 وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

# مَنجانب حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

۱) اندونی و بیرونی حملوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام -  
 ۲) اصلاح رسوم و باتیل، شریعت اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم و فنیہ -

طریق کار { ۱) جریدہ شمالی سلام کا اجراء ۲) دارالعلوم عزیزیا جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے ۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے ۴) عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) کتب خانہ (۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت -

## جریدہ کے قواعد و ضوابط

۱) رسالہ ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو پابند ہے وقت سے شائع ہوتا ہے۔ مضامین ہر ماہ کی دس تاریخ کو موصول ہونے چاہئیں۔ مدیر کا مضمون نگار صاحبان کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ۲) ارکان حزب الانصار کے نام جریدہ مفت بھیجا جاتا ہے۔ چندہ و کفایت کم از کم چار آنہ ماہوار یا تین روپے سالانہ مقرر ہے ۳) عام سالانہ چندہ سے ۷۰ معاویین سے ۱۰ طلبہ سے ۱۰ مقرر ہے۔ نمونہ کار پر چھ م کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے ۴) رسالہ ہر ماہ کا قاعدہ پانچ پر تال کے بعد بذریعہ ڈاک بھیجا جاتا ہے۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں خریدار کی طرف سے جینے کی ۵ تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ ۵) جواب کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے ۶) ہندوستان والے اپنا چندہ حاجی فضل الہی عبد المجید صاحبان کمیشن انجمن اوقاف مسجد شریٹا بمبئی (ہندوستان) کو بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں ۷) بیرنگ ڈاک اور خطی طریقہ پر گے ہوں گے۔

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام غلام حسین ایڈیٹر نیچر شمس السلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے۔

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی بی ایس ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خسر یا داری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا و وی پی، واپس فرما کر ایک اسلامی ادارے کو نافع نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خسر یا داری غیر کا حوالہ ضرور دیں۔

# سرخ نشان

غلام حسین نیچر رسالہ شمس السلام

۷۸۶

(دبھیرو)

# شمس الاسلام

ماہنامہ

جلد ۲۸	المہربان ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۵۷ء	شمارہ ۲
--------	--------------------------------------	---------

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	نمبر صفحہ
۱	بزم انصار	ادارہ	۴
۲	شذرات	"	۵
۳	معارف قرآن	"	۱۲
۴	باب الحدیث	"	۱۷
۵	پاکستان میں عربی زبان کی اہمیت و ضرورت	مولانا سید سیاح الدین صاحب کاکا خیل	۲۱

باتمنا غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر ٹائیپری برقی پریس سوسائٹی گودھا میں چھپ کر دفتر جریڈ شمس الاسلام جامع مسجد بیورو سے شائع ہوا

(8)

آسمان میں مندرجہ ذیل حضرات کے شتم و سلام کی فریادی قبول فرمائی۔ جزا ہم اللہ احسن الجزاء :-  
محترم حاجی علی محمد صاحب - (ذبیحہ چٹائی پر مدی حسین شاہ صاحب کی قبر پر)

ختم قرآن کریم : چند طلبائے دارالعلوم نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اور اس مبارک تقریب کو نہایت سادگی سے منایا گیا۔ طلباء میں شرفی تقسیم ہوئی۔ اور حفاظ نے قرآن مجید کے رکوع سنائے۔ اور مجلس تقریب کے خارجہ سے اعتناء پذیر ہوئی۔ البتہ غلام حسین متعلم کی برادری جو کہ اس تقریب میں موجود تھی راتوں نے مطالعہ کیا کہ چونکہ ہماری برادری میں پہلے بچے نے حفظ کیا ہے، لہذا ہماری خوشحور کا تمام علم عربی انصاری دارالعلوم عزیزیہ اور کلیا دارالعلوم ہمار گھر میں تشریف لائیں اور دعا فرمیں۔ تاکہ اور بچوں کو بھی حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو۔ اس موقع پر مولوی محمد امین متعلم جامع تحفہ عبیرہ نے اپنی طبع آزمائی مبارکباد منظومہ پنجابی پیش کی۔ جو بوجہ دم گھٹائش درج نمونہ کی۔ اللہ اللہ اللہ اشاعت میں درج ہوگی۔

ان معروضات کے بعد عمر بن حاضریں مجلس اس طول کلام کی معافی مانگا ہوا  
رضعت ہونا ہوں۔ خدا کے کہ کچھ پیش کر دیا وہ اثری۔ اور سنا جو ان کے پیش  
اور تو میری زبان کی طرف دل چاہتا ہے کہ جو باتیں میں تو یہ دعا کر دوں گا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو  
وہ آگے کو عربی زبان کی خدمت کریں کی توفیق عطا فرمائے۔ اور زندگی میں ان کاموں پر لگائے  
جس اللہ تعالیٰ اور اللہ کا رسول راضی اور خوش ہونا ہے۔ یعنی مولا احمد آقا کی مرضات کے مطابق

حیات متعارف کے محاذات گذارنا بھی ایک عزم و ہمت کا مقصد بنتا ہے۔ خدا کرے ہماری زندگی بامقصد گزرے۔ آمین۔ و آخر صحیحہ ان الحی اللہ ساری العالمین۔



# شذرات

(اداسہ)

اور نٹیل کانفرنس لاہور : قیام پاکستان کے بعد اس اور بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت تھی۔ لیکن ارباب اقتدار کے آپس کی کشمکش اور خود غرضیوں کی وجہ سے جس طرح مملکت کے دوسرے تمام شعبے اسی طرح رہے جس طرح انگریز آقا چھوڑ کر گئے تھے۔ اسی طرح یہ اہم ترین شعبہ مملکت بھی اسی طرح انگریز کے مقرر کئے ہوئے نظام کے مطابق جاری رہا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت جو کچھ خوبیاں تھیں وہ تو ختم ہو گئیں۔ اور برائی اسی طرح باقی رہی۔ تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے نظام تعلیم کی حالت پہلے سے ابتر اور بدتر ہوتی گئی۔ یوں تو اس دس سال کے عرصہ میں ہر گھنٹہ اور ہر ذریعہ اور ہر ماہر تعلیم نے جب زبان کھولی ہے، یہی کہا ہے کہ نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ غلامی کا دور گزر گیا ہے۔ اب آزادی کے نئے تقاضوں کے مطابق کام کرنا چاہئے۔ اور اپنی قوم کے نفسیات اور ملک کے مخصوص حالات اور اپنی روایات کو دیکھ کر نظام تعلیم کی ضرورت ہے۔ لیکن اپنے ان اقوال اور دلکش تقاریر کے مطابق عمل کرنے کے لئے کی توفیق کسی کو آج تک نہیں ہوئی۔ اور تمام نظام تعلیم میں "دی" جماعت سے لیکر یونیورسٹی کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تعلیم تک ذرا بھر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ مغرب کی کورانہ تقلید اور ہر چیز کو اندھا دھند مغربیت کے رنگ میں رنگنے کا رجحان روز بہ روز اور بڑھ رہا ہے۔ انگریزوں نے تو اپنے مخصوص مصالح اور ہندوستانی قوم کے مخصوص نفسیات کا لحاظ رکھ کر مشرقی زبانوں اور مشرقی علوم کو بھی کسی قدر محفوظ رکھا تھا۔ اور خواہ برائے نام سہی انہوں نے السنہ شرقیہ کے لئے تعلیم و تدریس کا

کچھ انتظام کر دیا تھا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں بعض ایسے حضرات برسرِ اقتدار آئے، جن کی مسلسل کوشش یہی رہی کہ ان بچے کچھ آثار کو بھی مٹا دیا جائے۔ نہ مشرقی زبانیں ہوں نہ انکی تعلیم و تدریس ہو۔ نہ ان کے اساتذہ ہوں نہ ان کے طلبہ۔ اور اور نٹیل کالج کے نام سے جو ادارہ لاہور میں عرصہ دراز سے ان زبانوں کی تعلیم کے لئے قائم ہے اسے بھی ختم کر دیا جائے۔ اور اس کے اساتذہ اور عمل کو مستقل طور سے چھٹی دیکھائے۔ لیکن یہ مشرقی زبانیں اور مشرقی علوم اور ان کے اساتذہ اور طلبہ کچھ ایسے سخت جان واقع ہوئے ہیں، کہ ان بڑے بڑے ذمہ دار اہل علم حضرات کی خواہش کے برخلاف اب تک وہ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں۔ اور یونیورسٹی کے ماحول سے ہٹنے کیلئے تیار نہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو مشرقی زبانوں کو پاکستان میں نہ صرف یہ کہ زندہ رکھنا چاہتے ہیں، بلکہ ان زبانوں کو ان کا اصلی مقام دینا اپنا فرض منصبی اور مقصد حیات سمجھتے ہیں۔ ان السنہ شرقیہ کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی معامی جیلہ سے ۲۸، ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۵۶ء کو لاہور میں اور نٹیل کانفرنس منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نٹیل اور نٹیل کالج اس کانفرنس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ اور السنہ شرقیہ کے دوسرے اساتذہ اور دینیات کے دوسرے فضلا نے ان کے ساتھ تعاون کر کے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اس کانفرنس کی پوری کارروائی مختلف جنابا میں آپکی ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں خود ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ذکر کر دیا جائے :-

بفضلہ تعالیٰ مجموعی طور پر پاکستان اور ٹیل کافر نس کامیاب ہی رہی۔ صدیقی خطبہ پڑھے گئے۔ مثلاً کلمے لکھے۔ تجاویز منظور ہوئیں۔ دعوتیں ہوئیں فضا فتنیں کھائی گئیں۔ مشاعرے سنے گئے۔ تصویریں اتاری گئیں۔ ملاقاتیں ہوئیں۔ آثار و عمارات کی سیر ہوئی۔ کافر نس کے تین دن ہنگامے کے دن تھے۔ صحیح معنوں میں ہنگامے کے دن۔ کسی کافر نس کی کامیابی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ کافر نس کے قبول عام کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ چین سے لیکر ترکی اور مصر تک کے اہل علم و فضل نے عملاً اور قولاً اس سے تعاون کیا۔ اس لحاظ سے یہ پاکستان کی کافر نس نہ تھی، پورے ایشیا کی کافر نس تھی۔ (مضمون آستانہ دل سے دور۔ بیابان کافر نس۔ ۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء)

گورنر مغربی پاکستان میاں مشتاق احمد گورمانی نے کافر نس کا افتتاح کرتے ہوئے جو شاندار تقریر کی ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت ادبیت و سحر بانی اور حقیقت شناسی کا ایک ممتاز نمونہ ہے۔ یوں تو اس تقریر کا ہر جملہ ”کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست“ کا مصداق ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل چند اقتباسات سے اس خطبہ اقتباس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ گورمانی صاحب نے فرمایا، اور بالکل بجا فرمایا:-

(۱) وہ ان اخطا میں تقلید ہمارا شیوہ بن گئی تھی۔ اس لئے جو نئی قوتیں ہم پر مسلط ہو گئیں۔ ان کے آگے ہم نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اب ہماری روایت پرستی میں مغرب کے غلو اہر اور شاعر کی کورانہ تقلید بھی شامل ہو گئی۔

(۲) محض سیاسی انقلاب اور معاشی آزادی سے (افراد

دلیل کی دیرینہ اور راسخ عادتیں نوآپوری طرح منقلب نہیں ہوتیں۔

(۳)

آپ اس اجتماع میں بہت سے علمی مقالے پڑھیں گے۔ لیکن میری ناپسندیدہ رائے میں سب سے اہم یہ تحقیق ہونی چاہئے کہ ہمارے نفوس کی کیا کیفیت ہے۔ تاسیس پاکستان سے قبل تعلیم اور علم کے متعلق ہمارا جو ذوق و محاذ تھا، اس میں کوئی اہم تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ پاکستان کا مطالبہ کرتے ہوئے ہم نے ہر جگہ یہ آواز بلند کیا، کہ ہم اپنی زبان اور اپنی ثقافت کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے قومی نظریہ حیات کو اختیار کی دست برد سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہماری ایک مخصوص تہذیب ہے۔ جس کی حفاظت ایک آزاد اسلامی مملکت ہی میں ہو سکتی ہے۔ آپ دیانت داری سے اس بات کا جائزہ لیں۔ کہ ہمارے اہل علم اور ماہرین تعلیم نے اس نصب العین کے پیش نظر گزشتہ آٹھ نو برس میں کیا موثر اقدامات کئے ہیں۔ کیا ہم نے اپنی تاریخ کو ان غلطیوں سے پاک کیا ہے جو ہم میں احساس کمتری پیدا کرنے کے لئے اس میں عدا شامل کر دی گئی تھیں؟ کیا علوم اسلامیہ میں کوئی ایسا تحقیقی کام ہوا ہے جو مفکرین اور محققین کے نزدیک قابل قدر شمار ہو؟ کیا جدید علوم و فنون کو اپنی قومی زبان میں منتقل کرنے کے لئے ہم نے کوئی موثر قدم اٹھایا ہے؟ کیا اپنی نئی پود کے لئے ہم نے کوئی راہ تجویز کی ہے جس سے وہ اپنے دیرینہ علمی و فنی ورثے سے بہرہ ور ہو سکیں؟

معلوم نہیں کہ محترم گورمانی صاحب کے ان سوالات کا جواب

پاکستان کے اس سب سے بڑے اور اہم علمی ادارہ پنجاب یونیورسٹی کے ”ذمہ دار حضرات“ اور اہل علم و فضل ماہرین تعلیم کی طرف سے

اس موقع پر کیا دیا گیا۔ لیکن جہاں تک ہمارا علم ہے، ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ اور اگر دیانتداری کے ساتھ جائزہ لیکر سچی بات کہی جائے، تو شرم و خجالت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے، کہ علم و تعلیم کے متعلق ہمارا جو ہمارا زادیہ نگاہ تاسیس پاکستان سے قبل تھا، اس میں اہم کیا کوئی خیر اہم تبدیلی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اسی طرح حصول علم کا مقصد ”برگ گیاہ کے لئے کتب میں علم پیشی کا سیکھنا“ ہے۔ اور بس۔ اور جس نصب العین کے حصول کی خاطر پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور ہر جگہ یہ آواز بلند کی گئی تھی اس کے پیش نظر نو برس کے عرصہ میں ٹوٹنوکیا سرے سے کوئی اقدام ہی نہیں کیا گیا ہے۔ ہماری تاریخ اسی طرح ان غلطیوں سے آلودہ ہے جو احساس کتری پیدا کرنے کے لئے ہمارے قدیم آقاؤں نے عدا شامل کر دی تھیں۔ اور ان غلطیوں سے الودہ تاریخ کو پڑھ کر آج بھی ہمارے بچے احساس کتری میں مبتلا اور اپنے اطراف سے بیزار ہوئے ہیں۔ علوم اسلامیہ کے بارے میں ایسا تحقیقی کام جو مفکروں و محققین کے نزدیک قابل قدر شمار ہو، یہ تو بہت دور کی بات ہے۔ ابھی تک شاید وہ مرحلہ بھی نہیں آیا، کہ علوم اسلامیہ کے بارے میں کسی درجہ میں بھی تحقیقی کام کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ اور قومی زبان ”تو محض ایک لفظ بے معنی ہے۔ جب کہ ہم دو سطر عام عبارت اس قومی زبان میں لکھنا اپنے تعلیم یافتہ ہونے کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، تو جدید علوم و فنون کو اس قومی زبان میں منتقل کر کے قدامت پسندی کا طعنہ سنا تو اد بھی شکل ہے۔ اور جب خود انگریزوں کے کاشتہ پرانے پودوں کی نگاہوں میں دیرینہ علمی اور فنی ورثہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تو وہ نئی پود کے لئے ایسی راہ کیوں تجویز کریں جس سے وہ اس ورثہ سے بہرہ ور ہو سکیں۔ کیونکہ جب خود انہوں نے اپنے لئے یورپ ہی کا ورثہ حاصل کرنے کی راہ تجویز کی ہے اور اس پر خوش ہیں۔ تو لازماً اپنی نئی پود کے لئے بھی

یہی راستہ تجویز کرتے ہیں۔ ہمارے محرم گورنر صاحب نے اس خطبہ میں اردو زبان کی زبردست حمایت کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں فرمایا ہے، کہ:

کوئی غیر زبان کتنی ہی باثروت کیوں نہ ہو، قومی زبان کی جگہ نہیں لے سکتی۔ جیسے کہ غیر قومی کی حکومت اچھے نظم و نسق کے باوجود بھی کسی قوم کی خود اختیاری حکومت کا نعم البدل نہیں بن سکتی۔ ہمیں ترقی یافتہ زبانوں کا سرمایہ اپنی زبان میں منتقل کر کے اسکو ورثہ ورثہ و سیاہی باثروت بنانا ہے۔ تاکہ تمام قوم کی نفسیات اس سے پرورش پا سکے۔ اور بلند مکیانہ افکار ہماری روزمرہ زندگی کا ہر ذرہ بن سکیں۔

میرے نزدیک دراصل ہمارے ذہنی افلاس کی وجہ یہی ہے۔ کہ ہم نے زبان کی نفسیات اور اسکی اہمیت پر کما حقہ غور نہیں کیا۔ محض اردو دان اگر کھلی افکار کا شکار ہے، تو محض انگریزی دان پاکستانی بھی کسی ذہنی بلندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جن اکابر مفکروں، ادیبوں اور شاعروں نے بلند تخلیقی کام کیا ہے، وہ سب سب ایسے ہیں، جن کا ذہنی محور اپنی زبان اور اپنی تہذیب تھی۔ انہوں نے انگریزی زبان سے جو فائدہ اٹھایا اس سے اپنی زبان کو غنی بنایا۔

مغربی السنہ سے متاثر لوگ اپنی زبان کی لامحدود کائنات سے آشنا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں، کہ

اردو زبان میں اتنی دسعت کہاں کہ وہ جدید علوم و فنون یا قانونی اور تکنیکی و سائنسی اصطلاحات کا احاطہ کر سکے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ آج سے کوئی ساٹھ ستر سال قبل انگریزی حکومت نے خود شمس العلماء مولوی نذیر احمد سے جو انگریزی بہت کم جانتے تھے، میکالے جیسے ادیب کی حربہ کردہ انڈین پینل کو ڈاکٹر ترجمہ اردو زبان میں کرایا۔ اور انہوں نے ایسا عمدہ ترجمہ کیا کہ تعزیرات ہند کو پڑھتے ہوئے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔

جس شخص کا رابطہ اپنے شعور ملی سے نہیں۔ اسکی نفسی زندگی مستحار اور ناپاٹھا ہے۔

پھر یہ دعا ہے کہ ہمدانی قوم میں ایسے مفکرین و محققین پیدا ہو سکیں، جو اسلامی افکار اور ملت کی ذہنی تاریخ خود اپنے بل بوتے پر حربہ کر سکیں۔ اور اپنے علمی اور ثقافتی سرمائے کے لئے دوسروں کی کاوشوں کے محتاج نہ رہیں۔

ہمیں چاہئے کہ ان زبانوں سے پوری واقفیت حاصل کریں، جو ہمارے علمی اور ثقافتی سرمائے کے مخزن ہیں۔ تاکہ ہم براہ راست تحقیق و اجتہاد کی راہ اختیار کر سکیں۔ جب تک ہمارے انداز فکر میں انقلابی اور اساسی تبدیلی نہ ہوگی، ہم ذہنی طور پر مقلد، نقال اور گدگد رہیں گے۔ اور یہ حقیقت ہے، کہ حیات نو کے لئے تجدید فکر کی ضرورت ہے۔

یہ تو آپ نے جناب محترم گورمانی صاحب کے نظریات و خیالات کے ترجیحی کرنے والے چند اقتباسات کو غلط فرمایا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ آپ صدر کانفرنس مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ایس اے رحمن صاحب کے خطبہ صدارت کا ایک اقتباس بھی مطالعہ فرمائیں :-

”لیکن اگر زندگی محض دوئی ٹیڑھے اور محکاں سے

عجارت نہیں تو یہ بھی لازم ہے، کہ انسانیاتی علوم کو ہمارے نصاب تعلیم میں مناسب مقام اور مرتبہ ملے۔ مشرقی علوم کا وہی حصہ میری نظر میں

زیادہ قابل و وقعت ہے جو انسانی اقدار سے

متعلق ہے۔ ہر ملک اور قوم کی اپنی مخصوص

ثقافتی اور تہذیبی روایات ہوتی ہیں۔ انہیں

یکسر ترک کر دینا قوم یا ملک کے لئے خودکشی کے

مترادف ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ درخت

تو پھلتا پھولتا ہے۔ اور اس کی جڑیں کاٹ

دی جائیں۔ ہر سوکھی ڈالی شجر سے پیوستہ رہ

کر ہی امید ہمار کہہ سکتی ہے۔ مشرقی علوم

ہمارے ثقافتی اور تہذیبی ورثہ کے امانتدار ہیں

ان سے روگردانی ہمارے لئے فطرت سر جنگ

آزماؤں ہوگی۔ انہی علوم نے ایک وقت میں

افکار و کردار کی وہ عظمتیں پیدا کی تھیں کہ دیکھنے

والی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ اور اگر اب

ان علوم سے استفادہ کرنے والوں میں پہلی

سی شخصیتیں نہیں ابھرتیں، تو قصور شاید

طریقہ تدریس کا ہے، جو وقار زمانہ کا ساتھ

نہیں دے سکا۔ یا پھر اس ذہنیت کا جو انہیں

داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار



دل سے وہ ..... بیابان کانفرنس میں "نے جو محاصرہ روز میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے، ہمارے اندیشہ کو کافی حد تک صحیح ثابت کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف ایک درد دل رکھنے والے فاضل اور علم کے ساتھ سچی محبت رکھنے والے بزرگ ہیں۔ درحقیقت وہی اس کانفرنس کے محرک تھے۔ اور ان کی مساعی جیلہ سے یونیورسٹی کے ذمہ دار حضرات کے علی الرغم السنہ شرقیہ کو کچھ حیثیت و مقام دینے کے لئے اس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اور پہلی دفعہ اس مشرقی اور اسلامی ملک میں مشرقی زبانوں اور اسلامی علوم و فنون کے فروغ و ترقی کے لئے یہ اقدام کیا گیا۔ اس مضمون میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ محض کسی بر لب ساحل بیٹھ کر نظارہ کرنے والے تماشا شائق کا تبصرہ نہیں۔ بلکہ اول سے پسکر آخر تک ہر معاملہ کی حقیقت کو براہ راست سمجھ کر اور اس پر غور و فکر کے نتیجہ انداز کرنے والے ایک ذمہ دار شخص کا فیصلہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود کہا ہے :-

"یہ تو صرف رو داد دل ہے۔ اس میں صرف ان طبی اور معنوی نقوش کو نمایاں کرنے کی کوشش کر دی گئی۔ جو کانفرنس کے ظاہری ہنگاموں سے ابھر کر ایک سو پہلے "تماشا شائق" کے مغفوت ذہن پر اترتے ہیں۔ شاید یہی وہ نقوش ہونگے، جو کانفرنس کے حقیقی تجربات ثابت ہو کر آنے والے کارکنوں کے لئے دستور العمل بن سکیں گے۔ اسی سے کانفرنس کے سود و زیان اور معنوی جمع و خرچ کی فرہاد ہونے کے گی۔ اگرچہ بقول غالب :-

کس سے بیان ہو سرتا اظہار کا نگہ

دل فرود جمع و خرچ زبانائے لال ہے

اس کانفرنس کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کو صحیح طور پر سمجھنے

نہیں۔ اس سے مقصود یہ ہرگز نہیں کہ جو کچھ بزرگوں سے ہمیں پہنچا ہے اسے آنکھیں بند کر کے بلا ترمیم قبول کر لیا جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے، کہ ہم پھر سے اپنے ماحول کا جائزہ لیں۔ اپنے افی کے فتوحات میں اسے زمانہ حال کے مقتضیات کی تسکین کا سامان انتخاب کریں۔ اور اپنی دیرینہ روایات کی روشنی میں نئے وسائل اور نئے طریقوں کو اپنا سٹے ہوئے اپنی سمت منزل متعین کریں :-

(امروز ص ۲۹، ص ۵۶)

ان خطبات کو پڑھئے۔ اور کانفرنس کی ساری روئداد کو ملاحظہ کیجئے۔ تو بڑی سرت ہوتی ہے، کہ ایک اہم اور بنیادی مقصد کے حصول کی خاطر جو کانفرنس منعقد کی گئی تھی وہ بہت کامیاب رہی۔ لیکن کیا کیجئے، ہمارے "ان" قول و عمل کا تضاد جو ایک مستقل عیاری کی شکل میں ہر شعبہ زندگی میں موجود ہے۔ اور کردار و گفتار کا تخالف جو ہر موقع پر اپنا مظاہرہ کیا کرتا ہے، اس نے یہاں بھی اپنے وجود کا مظاہرہ کیا۔ اور اس لئے ہماری دوسری سیکنڈ کانفرنسوں کی طرح یہ کانفرنس بھی نشتند و خود بخود و گشتند و برخاستند کی مصداق بن گئی۔ اور جس منزل مقصود سے ہٹکارا ہونے کے لئے چند برہنہ پاجفا کشوں نے اس "بیابان کانفرنس" میں وہ نوردی اختیار کی تھی، اس تک پہنچا نہیں شاید نصیب نہ ہو سکے۔

عام طور سے اس قسم کی کانفرنسوں کا جو مشرہ ہوتا ہے ہمیں خود بھی یہ اندیشہ تھا، کہ پر ہوش اور زود دار تقادیر و خطبات اور ہنگامہ آرائی کے باوجود نتیجہ کے اعتبار سے معاملہ صفر ہی رہے گا۔ لیکن اس کانفرنس کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پرنسپل اور ٹیل کالج کے ایک مضمون آستانہ

کے لئے ہم ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون کے چند فردی اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ اور قارئین کرام اسی سے اندازہ لگائیں :-  
مجھے اس موقع پر یہ اعتراف بھی کرنا ہے۔

کہ یہ کانفرنس جہاں قومی زبان کی اہمیت کو مؤثر انداز میں ظاہر کر سکی۔ اور جہاں علوم مشرقی کے سبب متعلقین کو ایک پلیٹ فلام پر جمع کر سکی۔ وہاں وہ خود علوم مشرقی کی ترقی و بلکہ تحفظ تک کے لئے کوئی واضح پروگرام نہ بنا سکی۔

اور میں تو یہاں تک کہوں گا کہ کانفرنس علوم مشرقی کے متعلق وہ محافلے بھی دور نہ کر سکی جن میں مبتلا ہونے کے سبب ملک کے بااقتدار گروہ اور تعلیم یافتہ طبقے میں علوم مشرقی کے خلاف ایک جذبہ بیگانگی پایا جاتا ہے۔ غالی جناب گورنر صاحب کے خطبے میں بھی اس غلط فہمی کا کسی حد تک اثر محسوس ہوتا تھا۔

کیونکہ انہوں نے جہاں مشرقی زبانوں کے وجود اور اہمیت کو تسلیم کیا۔ وہاں ان کے نزدیک مشرقی علوم کی اصطلاح ناقابل فہم اور مشکوک تھی۔ یہ شک عام ہے۔ اور خود ان لوگوں کے دل میں بھی ہے، جو مشرقی زبانوں کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ افسوس ہے کہ چاری کانفرنس اس محافلے کو دور نہیں کر سکی۔ اسلئے کانفرنس

بعض تعلیمی اداروں اور بعض ذمہ دار اشخاص کی ان کوتاہیوں کے خلاف بھی مؤثر احتجاج نہ کر سکی جو علوم مشرقیہ کے مخالف ہی نہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہی ہیں۔ اور عین ممکن ہے کہ کانفرنس کی ظاہری کامیابیوں سے ان کی

جھجھلاہٹ اس حد تک شدید ہو جائے، کہ وہ پہلے سے زیادہ علوم مشرقی کے خلاف نیرو آزا ہو جائیں۔ میری رائے میں اس ذہنیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش بڑی ہی فردی چیز تھی۔ مگر یہ کانفرنس یہ فردی کام نہ کر سکی۔ کانفرنس کی کارکردگی کے یہ خلا میرے نزدیک معمولی نہیں، نہایت غیر معمولی اور بنیادی ہیں۔ جن کے باعث ذاتی طور پر میں کانفرنس کے نتائج سے مطمئن نہیں ہوں۔“

(اعرف ۱۶ جنوری ۱۹۷۷ء)

میں نے بوش علی، علوی، مورحمت و شرافت کے جن چھستانوں کا ذکر کیا ہے، ان کے ہمارے آئین ہونے سے انکار نہیں۔ مگر ان پھولوں کے اندر ہی کچھ کانٹے بھی ہیں۔ جن کی چھین رہ رہ کر محسوس ہوتی رہی، اور اب بھی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ غلط اجتماعی بھی ہے اور ذاتی بھی۔ انہی غلطیوں کے سبب میں نے کانفرنس کو ایک بیابان قرار دیا ہے۔

بااقتدار طبقے کی اجتماعی ذہنیت کے اس دور میں مجھے ان نتائج کے بارے میں مایوسی ہے، جو مقاصد کے نقطہ نظر کے پیش نظر ہیں۔ آزادی کی دادی میں قدم رکھے ہوئے پورے دس سال گزر گئے ہیں۔ مگر ابھی تک مشرقی و مغربی علوم اور قومی و غیر قومی زبان کی تعریف و توفیق کی حد تک ہی پہنچے ہیں۔ مجھے تو وہ کہ یہ گمان ہوتا ہے، کہ ہمارے بااقتدار طبقوں کو نہ اردو سے محبت ہے،

نہ علوم مشرقی سے الفت۔ نہ اس تہذیب سے  
جس کی خاطر ہم یہ سب ہنگامے کھڑے کر رہے  
ہیں۔ لہذا اندیشہ یہ ہے کہ یہ کانفرنس چند  
روز کے لئے جنگل میں مثل سے زیادہ کچھ بھی  
زیادہ ثابت نہیں ہوگی۔ ہمارے اکثر اجتماعی  
تہذیبی کاموں کی یہی تقدیر ہے۔ اور یہ شوخی  
تقدیر اس لئے ہے کہ تہذیبی و ثقافتی چیزوں  
میں بڑے مثبت اثرات کبھی بھی موجود نہیں  
(امروزہ ۱۷ جنوری ۱۹۷۷ء)

اس تبصرہ کے بعد کسی ادب تبصرہ کی، اور ان توضیحات  
کے بعد کسی اور توضیح و تشریح کی حاجت بالکل نہیں رہی۔ خط  
کشیدہ الفاظ کو آپ پھر پڑھئے۔ اور اسی سے اندازہ لگائیے۔  
کہ ذمہ دار اشخاص کا رویہ اور بااقتدار طبقے کی اجتماعی ذہنیت  
کیا ہے ؟

**عربی زبان کی اہمیت :** شمس الاسلام کے اس  
شمارہ میں پاکستان میں عربی زبان کی اہمیت و ضرورت کے  
عنوان سے ایک مقالہ شائع کیا جا رہا ہے۔ جو ایک کالج کے  
ان طلبہ کے سامنے پڑھا گیا تھا۔ جو عربی زبان کی ترویج و ترقی کے  
سلسلہ میں کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقالہ میں بعض اہم  
نکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے، کہ  
صرف مسلمان ہونے کی حیثیت سے خالص مذہبی طور پر  
ہمارے لئے عربی زبان کا جتنا ضروری ہے۔ بلکہ قومی اور ملی مفاد  
کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہم خاص طور سے عربی زبان کو سیکھیں  
سمجھیں اور اس میں عمارت حاصل کریں۔ قارئین کرام اس  
مقالہ کو غور سے مطالعہ فرمائیں۔ اور بہت سے لوگوں کے لئے  
یہ واقعہ نیا انکشاف ہوگا۔ کہ بیودوں کی چھوٹی سی ریاست

”اسرائیل“ نے عبرانی زبان کو قومی زبان قرار دیا ہے۔ اور اس  
ہزاروں برس کی مردہ اور بوسیدہ زبان کو پھر زندہ کرنے کی جدو  
جدد کر رہی ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی اور اول درجہ کی اسلامی  
حکومت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے برسرِ اقتدار طبقہ کی غیرت  
فی کے لئے اس چھوٹی سی ریاست کے یہ عزائم و جذبات کیا  
تازیانہ عبرت نہیں بن سکتے ؟ یہاں پاکستان میں قرآن کی،  
حدیث کی، رسول اللہ کی، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کی،  
زبان عربی کے ساتھ کس قدر اجنبیت کا سلوک ہو رہا ہے۔  
قیام پاکستان کے بعد کسی رنگ میں بھی عربی زبان کی اور عربی  
زبان جاننے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی۔ بلکہ حوصلہ  
افزائی تو کیا کی جاتی، یہاں تو روز بہ روز ایسے حالات پیدا کئے  
جائے ہیں، کہ عربی زبان کے مدارس و مکاتب مقفل ہو جائیں۔  
اور اہل علم نے شب و روز کی محنتوں اور جان کا پیوں سے  
جگہ جگہ جو قصور ابھرتے در سگاہوں کا انتظام کیا ہے، کسی نہ کسی  
طرح یہ سب کچھ بھی الٹ دی جائے۔ انگریزوں نے بعض مخصوص  
مضامین کی بنیاد پر عربی زبان کے جو امتحانات کئے تھے۔ اور ان کے  
لئے کچھ معمولی سا انتظام تھا۔ ہمارے موجودہ ارباب اقتدار  
اس سلسلہ کو بھی ختم کر کے رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ مقالہ محض  
اس لئے شائع کرتے ہیں، کہ عام مسلمانوں کے قلوب میں اگر  
عربی زبان کی وقعت پیدا ہو جائے تو شاید وہ ایسی آواز بلند  
کر سکیں، جو ارباب اقتدار کو اپنی من مانی کارروائیوں اور عربی  
زبان کی مخالفت سے باز رکھے۔

### زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف

ماہِ رجب، شعبان، درمضان میں ذی ثروت و صاحبِ انصاف اشخاص زکوٰۃ  
اداکر کرتے ہیں۔ ایسے اصحاب اس موقع پر حزب الانصار کے ادارہ خیریت  
کے طلبہ اور تبلیغی اداروں کے فراغوش نہ فراموش اور قوم اعانت نام نگم  
حزب الانصار کے روائے فرما کر عہدہ ادا جہادوں۔



## معارف قرآن

## تفسیر سورہ فاتحہ

(اخلاص)

(بلسلہ اشاعت گذشتہ)

غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ :

سوئے ان لوگوں کے جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے  
یعنی اے اللہ! ہمیں رسول اللہ کے اسوہ حسنہ اور صحابہ  
کے طرز عمل پر ثابت قدم رکھ۔ اور ان لوگوں کے راہ سے بچنے کی  
توفیق دے جن پر تیرا غضب ہوا، اور جو گمراہ ہوئے۔

مشہور ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں۔  
کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں: مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَ  
غَضِبَ عَلَيْهِ یعنی یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور وہ  
مغضوب ہیں۔ اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ لیکن اس  
ہائے میں مہیج قول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ پر مصر نہیں۔  
بلکہ یہود سے مراد وہ قومیں ہیں جو جان کر تکبر یا دنیوی طمع کی غرض  
سے حق پرستی کو چھوڑ کر باطل پرستی کی راہ اختیار کریں۔ اور دنیا  
کے عوض دین کو بھیجیں۔ اور نصاریٰ سے مراد وہ قومیں ہیں  
جو راہ ہدایت سے بالکل واقف نہیں۔ اور ان کو راہ ہدایت کی  
تلاش ہی نہیں۔

چند فوائد :- جانتا چاہئے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں

ہیں۔ اور نماز کے ظاہری و حسی اعمال بھی  
سات ہی ہیں۔ قیام، رکوع، قومۃ بعد الركوع، سجدہ اُٹلے،  
جلسہ بین السجدتین، سجدہ ثانیہ اور قومۃ تشرید۔ یہ ارکان نماز  
بطور جسم کے ہیں۔ اور سورہ فاتحہ ان کے لئے بطور روح کے  
ہے۔ سو نماز کا کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ جسم

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ :

راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا  
مَنْعَمٌ عَلَيْهِمْ سے مراد صحابہ ہیں۔ کیونکہ سورہ  
انزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ یعنی اللہ  
نے تم پر انعام کیا۔ یعنی صحابہ پر۔ پس جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا  
وہ صحابہ ہیں۔ اس کا معنی یہ ہوئے، کہ اے اللہ! ہمیں صحابہ کے  
طریقہ پر چلا۔ اور آخرت میں انہیں کی معیت نصیب کیجیو۔

نعمت کسے کہتے ہیں ؟  
نعمت وہ منفعت ہے،  
جو غیر کو بطور احسان کے  
پہنچائی جائے۔ اس نعمت کی کئی قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ مخلوقات  
کو جو منافع پہنچتے ہیں، اور جو جو فرمان سے وہ ہوتے ہیں وہ  
سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یعنی نفع و نقصان کا مالک  
حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-  
وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنْ اللَّهِ۔ نعمتوں کی تمام قسمیں  
اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ خواہ اللہ کی ایجاد سے ہوں یا بندوں  
کی ایجاد سے۔ سب نعمتوں کا سبب خدا ہے رحیم و کریم کی ذات  
سے۔

خدا نے قدوس کی پہلی نعمت بندوں پر کوئی ہے ؟ یہ  
کہ اس نے ان کو زندہ کیا۔ سب نعمتوں کی اصل زندگی ہے۔ یعنی  
بغیر زندگی کے نفع اٹھانا محال ہے۔

دو روح دونوں اکٹھے ہوں۔

سورۃ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ناموں پر مشتمل ہے۔

اللہ، رَبِّ، سَاحْمَن، سَاحْمِنِمْ اور مَالِک۔  
اور تمام مخلوقات کے احوال کے بھی پانچ مراتب ہیں۔ پیدائش،  
ترتیب، باعتبار مصالح دنیویہ، تربیت، باعتبار معرفت مبداء،  
ترتیب، باعتبار معرفت معاد، عالم مبداء سے نکل کر کے عالم معاد  
کی طرف منتقل کرنا۔ سو اسم اللہ مرتبہ اول کے مقابل ہے۔ اسم  
سبب مقابل مرتبہ دوم کے ہے۔ اسم سَاحْمَن مقابل مرتبہ چہارم  
کے ہے۔ اور اسم مَالِک مقابل مرتبہ پنجم کے ہے۔

بندہ کی بندگی اور خدا کی معرفت اسی وقت کامل

ہوتی ہے، جب کہ ایک بندہ ان پانچوں اسماء کی حقیقت اور  
مراتب غصہ سے ان کے تعلق کی حقیقت معلوم کر لے، اگر ہم  
سورۃ فاتحہ کا مفہوم و مطلب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اور پھر  
اس پر عمل پیرا بھی ہو جائیں تو بخدا ہم مسیح معنوں میں مسلمان بن جائیں  
دین و دنیا کی فلاح و کامیابی حاصل کر لیں۔ اور ایک دم ہماری کامیابی  
پیدا ہو جائے۔

مگر افسوس ہم غمازوں میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت

بکثرت کرتے ہیں۔ مگر اس کے مطالب سے ناواقف ہیں۔  
اور اس مقام کی ہوا تک نہیں لگی جہاں یہ سورۃ ہم کو پہنچانا چاہتی  
ہے۔ پس ہر غمازی کو نماز کے ارکان کے ساتھ ساتھ سورۃ فاتحہ  
کے مطالب سے بھی واقفیت ہم پہنچانی چاہئے۔ وَ بِاللّٰهِ  
التَّوْفِیْقُ \*

## سورۃ البقرہ کی تفسیر

قرآن حکیم میں جس قدر سورتیں ہیں، ان میں کچھ نمایاں  
اور ممتاز خصوصیات ہیں۔ انہیں خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام معین فرمائے ہیں۔  
سورۃ بقرہ میں چونکہ ایک گائے ذبح کرنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے  
اور اس قصہ میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے اس  
کا نام سورۃ البقرہ قرار پایا۔ اس سورۃ کی کل دو سو اسی آیات  
ہیں۔ اور یہ سورۃ مدنی ہے۔ یعنی مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔  
صاحب آفتاب نے صرف دو آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔

اس سورۃ کا موضوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو  
فلاح و بقا اور انتہائی کامیابی و کامرانی کی ایسی تعلیم دیا جائے  
کہ مسلمانوں میں صحیح کیریکٹر پیدا ہو۔ ان کی زندگیوں میں پاکیزگی  
حیات کا خورچکھل اٹھے۔ ان پر ظفر و کامرانی کے تمام راستے کھل  
جائیں۔ وہ حکومت ارضی و سماوی کے مالک بن جائیں۔ اور  
وہ مذہب و اخلاق کے پابند ہو کر دنیا و آخرت کی انتہائی  
کامیابیوں و کامرانیوں سے ہمہ اندوز ہوں۔ اس موضوع  
کو ایک ایسے نظم و اسلوب حقیقی کے ساتھ سلسلہ وار بیان  
کیا گیا ہے کہ عقل انسان دنگ رہ جاتی ہے۔

قرآن حکیم کا روئے سخن شکل بنی نوع

انسان کی طرف ہے۔ لیکن چونکہ اس  
کے نزول کے وقت یہودیوں کی جماعت سب سے بڑی جماعت  
تھی۔ یہ شریعت موسوی کے حامل اور مبلغ ہونے کے دعویدار  
تھے۔ ان کی انفرادی و اجتماعی خرابیاں حد کمال کو پہنچ چکی تھیں۔ اور  
ان کی گمراہی حق و صداقت کے لئے ایک بہت بڑا قند بن چکی  
تھی۔ اس لئے اگرچہ اس سورۃ کا روئے سخن یہودیوں کی طرف  
ہے۔ لیکن درحقیقت تمام بنی نوع انسان کی طرف عموماً اور  
مسلمانوں کی طرف خصوصاً ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ان کے  
امراض و مفسد کو کھول کر بیان کر کے اور یہودیوں کی گمراہیوں و  
غلط کاریوں کا اچھی طرح پردہ فاش کر کے حق و صداقت  
کے طلبکاروں اور مسلمانوں کو صحیح راہ عمل دکھا دی جائے، کہ

دامن کو ان خرابیوں، آلودگیوں اور نجاستوں سے بچائے رکھیں۔

اس سورۃ کے شروع میں بتلایا گیا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ وہ ایمان ربانی کے سامنے سر

جھکانے پر مجبور ہے۔ مذہب ہی امن و تہذیب کا منبع ہے۔

انسانیت کا سرچشمہ ہے۔ اور داریں کی بجلائیوں کا ذمہ دار و کفیل

ہے۔ دنیا میں انسان کو سکون و اطمینان اسی صورت میں میسر

آ سکتا ہے کہ وہ قوانین الہیہ کے مطابق زندگی بسر کرے۔

اس میں تہذیب اخلاق کا بھی بیان ہے۔ اور تدبیر منزل

کا بھی۔ اور معاملات کی تعلیم بھی ہے۔ اخلاق و روحانیت و تمدن

و سیاست اور تعمیر و اصلاح کا کونا گہ ہے جو اس میں نہیں

بتلایا گیا۔ راز ہائے ترقی و کامرانی کو اس میں واضح و ظہور

پر بیان کر دیا گیا ہے۔

## الم

قرآن پاک میں ۲۹ سورتیں  
ایسی ہیں جن کی ابتداء

حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ ان کے متعلق مفسرین میں

سخت اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ان کا علم

محبوب و مستور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہی لئے خاص رکھا

ہے۔ اس کے سوا کوئی شخص ان کے معنی نہیں جانتا۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فی کل کتاب مستور

وسرّ فی القرآن اوائل السور یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر

آسمانی کتاب میں ایک نہ ایک مجید ہوا کرتا ہے۔ اور قرآن میں

اس کا مجید وہ حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے شروع

میں آتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہر کتاب

کا کوئی نہ کوئی خلاصہ ہوتا ہے۔ اور اس کتاب کا خلاصہ

حروف تہجی ہیں۔

دیکھو یہ ہے وہ مراط مستقیم جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہوئے۔

اس سورۃ میں تین  
سورۃ بقرہ کے مضامین  
قسم کے لوگوں کا

بیان ہے۔ (۱) ایمان دار و پرہیزگار۔ یعنی وہ ارباب ایمان و اصلاح

جو تعلیم حق کے سامنے گردن اطاعت جھکا دیتے ہیں۔ اپنی زندگی

احکام الہیہ کے مطابق بنالیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت

میں مرتشتے ہیں۔ (۲) کفر و شرک کے پرستار، حق کے دشمن، باطل

کے حامی اور قبولیت حق کے جذبہ سے محروم۔ یعنی ارباب کفر

و شیطنت۔ ان کا مقصد و حید یہی ہوتا ہے کہ ہر حق و اصلاح کی

آواز کی مخالفت کی جائے۔ بندگان خدا اپنے معبود حقیقی تک نہ

پہنچنے پائیں۔ خالق کائنات کی عبادت و معرفت کرنے والا

ایک انسان بھی دنیا میں نہ ہے۔ اور انسان ہمیشہ من مانے،

نود ساختہ خداؤں کے سامنے سرسجود ہے۔ (۳) منافقین اور

دو غلے۔ یعنی وہ لوگ جو زبان سے ایمان ظاہر کریں اور دل میں

کفر رکھیں۔ اہل ایمان سے بھی تعلق رکھیں، اور کفار و مشرکین

سے بھی لے رہیں۔ اس سورۃ میں ترتیب وار انہی تینوں قسم

کے لوگوں کا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ان کے بعد اہل ایمان و اصلاح یا ہر امت میں دو قسم

کے لوگ ہوتے ہیں۔ عوام الناس اور ارباب علم و فضل۔ عوام

الناس کی نظر ظواہر اعمال پر ہوتی ہے۔ ان کا بگاڑا ہونا و بناؤ کے

ذمہ دار ارباب علم و فضل ہوتے ہیں۔ اور ارباب علم و فضل

محقق و معارف کے شیفتہ اور مذہب کے علمبردار ہوتے ہیں۔

ان دونوں قسموں کے لوگوں کا بھی اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس سورۃ میں یہودی علماء کی گمراہیاں اور خرابیاں

تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے کہ امت محمدی کے

اہل علم ہمسند رسول کے جانشین اور علمبرداران حق و حریت

ان کی گمراہیوں اور خرابیوں سے بصیرت اندوز ہوں۔ اور اپنے



(۲) اللہ تعالیٰ نے ابتدائے نبوت میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ اِنَّا سَنُلْقِيْكَ عَلَيْنَا قَوْلًا ثَقِيْلًا۔ یعنی ہم تجھ پر ایک ایسی بھاری کتاب نازل کریں گے جس کو کوئی مٹانے والا نہ مٹا سکے گا۔ یہ آیت سورہ حزقیل کی ہے۔ جو سورہ بقرہ سے بہت پہلے ابتداء نبوت میں اتری تھی۔ سو اس آیت میں اسی وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) اسی سورہ میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کے نازل کرنے کا وعدہ موسیٰ سے کیا گیا تھا۔

اسماء قرآن : قرآن پاک کے بہت سے نام ہیں۔ جن کو ہم تفصیل وار بیان کرتے

ہیں۔ (۱) کتاب : اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن ہی ہے۔ اور کتاب مصدر ہے بروزن قیام۔ قرآن پاک میں کتاب کے کئی معنی آئے ہیں۔ اول، فرض کے معنوں میں۔ جیسے کتب علیکم القصاص۔ اور کتب علیکم الصیام۔ یعنی ہم نے تم پر قصاص کو فرض کیا۔ اور تم پر رمضان کے روزے فرض کئے گئے۔ دوم، حجت و برہان کے معنوں میں۔ جیسے فَاَتُوا بَكُم اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ یعنی اے منکرین و مہادین، اگر تم سچے ہو تو دلیل و حجت لے آؤ۔ سوئم، بمعنی اجل یعنی وقت۔ جیسے وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِ اِلَّا وَاٰلِهَآ كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۔ یعنی اور ہم کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس کا ایک وقت معلوم ہوتا ہے۔

(۲) قرآن : یہ دوسرا نام ہے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ قرآن اور قرأت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو قرآن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس

نام شعبی سے ان حروف کے باہر میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، یہ خدا کا بےید ہے۔ ان کی تلاش میں مت پڑو۔ اس طرح ان حروف کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔ بر مال محکات کو چھوڑ کر کتابت کے صحیح پڑنا جائز نہیں۔ اس میں گڑبگ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ حروف مقطعات کا علم خدا جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے۔

## ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

(اس کتاب میں کچھ شک نہیں)

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے۔ کہ یہاں مشارالہ تو حاضر ہے۔ اور ذٰلِكَ اسم اشارہ مبہم ہے۔ اور بعید کے لئے موعود ہے۔ اس کے کئی جواب اور سبب ہیں :

(۱) غنائے قدوس جل مجدہ نے قرآن کو نچا نچا اٹا ہے۔ یعنی ایک سورہ کے بعد دوسری۔ دوسری کے بعد تیسری۔ اور ایک آیت کے بعد دوسری آیت۔ یعنی وہ اکٹھا یک پارگی نہیں ترا۔ سو سورہ بقرہ سے پہلے اور بھی بہت سی سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ تو ذٰلِكَ کا اشارہ ان سورتوں کی طرف ہے، جو اس سورت سے پہلے اتر چکی تھیں، پس اس اسم کا استعمال صحیح ہوا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور بعض سورتوں پر قرآن کا اطلاق کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں صاحب تفسیر کبیر فرماتے ہیں کہ قرآن کے بعض پر بھی قرآن اور کتاب کا اطلاق صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وَاِذَا قُمِیْتُ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ اُوْدِیْنَ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو۔ اس میں بعض قرآن کو قرآن فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں، جن میں اللہ پاک نے بعض قرآن کو قرآن فرمایا ہے۔

میں حروف جمع کئے گئے تو کلمات ہو گئے۔ کلمات جمع کئے گئے تو آیتیں بن گئیں۔ اور آیتیں جمع کی گئیں تو سورتیں ہو گئیں۔ اور سورتیں جمع کی گئیں تو قرآن ہو گیا۔ پھر اس میں علوم اولین و آخرین جمع کر دیئے گئے۔

(۳) **فرقان**، یہ تیسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُتُوحَاتِ ج۔ اور ہدایت و فرقان کی کھلی کھلی باتیں ہیں۔ قرآن کو فرقان اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے درجہ و مطالعہ سے انسان میں ایک ایسی زبردست قوت فیصلہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ یہ آسانی حق و باطل میں تیز کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اس کو خدا کی طرف سے ایک نود بصیرت عطا ہوتا ہے، جس کی روشنی اس کو تمام لغزشوں، ٹھوکروں اور گمراہیوں سے بچا لیتی ہے۔

(۴) **ذکر**، یہ چوتھا نام ہے۔ ذِکْرٌ، ذِکْرًا، اور ذِکْرًا ہی کے دو معانی و مطالب ہیں۔

اول یہ کہ قرآن خدا کی طرف سے ایک یادگار اور یادداشت ہے۔ ان تکالیف اور احکام کے بارے میں جن کا بندہ دل کو مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ دوم یہ کہ جو شخص اس پر ایمان لائے گا، اس کے حق میں یہ قرآن باعث عز و شرف اور یادگار بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ یعنی ہم نے اپنا ذکر یا قرآن نازل کیا۔ یعنی قرآن کا تعلیم ایسی ہے، جس کے درس و مطالعہ سے انسان کی سوئی ہوئی فطرت جاگ اٹھتی ہے۔ دعاغی قوی روشن ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اپنا بھولا ہوا مقصد حیات معلوم کر لیتا ہے۔

(۵) **حدیث**، یہ پانچواں نام ہے۔ حدیث بات کو کہتے ہیں۔ قرآن کو حدیث اس لئے کہا گیا کہ یہ لکھ کر کتاب کی صورت میں یہ روایت مجموعی نازل نہیں ہوا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس میں مکلفین سے خطاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللَّهُ نَزَّلَ احْسَنَ الْحَدِيثِ۔ اللہ نے اچھی بات نازل کی۔

(۶) **موعظہ**، یہ چھٹا نام ہے۔ ارشاد باری ہے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ۔ یعنی اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارا پاس ایک موعظہ آگئی ہے۔ موعظت کے معنی ہیں نصیحت اور پند۔ گو یا قرآن پاک ایک عمدہ نصیحت و موعظت ہے۔

(۷) ساتواں نام، **حکم**، **حکمت**، اور **حکیم** ہے۔ جیسے، وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔

اور من آیات اللہ والحکمة ج۔ اور ایس، و القرآن الحکیم۔ وغیرہ۔ حکمت کے مانعہ میں اختلاف ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ وہ احکام اور الزام سے ماخوذ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حکمت کے معنی سمجھ کے ہیں۔ حکمت انسان کو حقاقت و نادانی سے روکتی ہے۔

(۸) آٹھواں نام، **شفاء**، جیسے وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی قرآن مؤمنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔ یعنی قرآن شفاء جسمانی بخشنے والا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے سے امراض روحانی مثلاً کفر و شرک سے بھی نجات ملتی ہے۔ اور دل کا شک و شبہ زائل ہوتا ہے۔

**سایب کے معنی:** شک کے قریب قریب

کے معنی یہ ہیں کہ اس میں وضاحت، سادگی اور فصاحت وغیرہ اس درجہ کی ہے کہ کسی شک کرنے والے کو اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ قرآن پاک نہایت محکم اور واضح ہے۔ کسی عاقل کو اس میں شبہ نہ کرنا چاہئے۔ قرآن حکیم نے ہر

## باب الحدیث

## اسلامی زندگی کا مکمل پروگرام

(ادارہ)

ہو گیا۔ اس غزوہ میں آپ نے ایک نماز کے بعد ایک نہایت جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ ایسا اہم اور آخری خطبہ ہے، جو ایک سچے، حقیقی اور خدا پرست مسلمان کی زندگی کا مکمل پروگرام ہے۔ اور کتاب و سنت کی تمام تعلیمات کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ عاشقانِ رسولِ مسلم اور فلاکارانِ ملت کا فرض ہے، کہ وہ اس اہم جامع اور آخری خطبہ کو بخور پڑھیں۔ اور اس دہرے بد اعمالی میں اس پر عمل کر کے غلامِ دین و دنیا حاصل کریں۔ اس خطبہ عالیہ مقدمہ کے پچاس فقرے ہیں۔ اور ہر فقرہ میں نصیحت و موعظت اور حکمت و معرفت کا ایک بے پایاں سمندر پوشیدہ ہے۔ یہ پچاس جواہر دینریں ہفت اقلیم کی بادشاہی سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اور یہ پچاس فقرے اصل و حقیقت اور صداقت کی ایسی پکار ہیں، کہ ہر مسلم ان کو آویزہ گوش بنائے۔ اور ان پر اپنی اسلامی زندگی کی بنیاد رکھے۔

ہم ان فقروں کو علیحدہ علیحدہ نمبر نگار ترجمہ و تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مطلب سمجھنے میں آسانی ہو حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿مَّا بَعْدُ﴾

فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ

(ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی کتاب ہے) (حدیث)

خود اللہ پاک فرماتے ہیں، ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ اللہ سے زیادہ کون اپنی بات میں سچا ہو سکتا ہے۔

علم و بعیرت کا اصلی سرچشمہ دنیا میں صرف قرآن ہے۔ دنیا میں

غزوہ تبوک رجبِ ثانیہ میں ہوا۔ اس غزوہ میں فداکارانِ اسلام کو سخت جانکاد تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ غریب و تنگدستی کا یہ عالم تھا، کہ صحابہ کو اس غزوہ میں اپنے پاؤں کے زخموں میں پیچھے باندھنے پڑے تھے۔ بے سرو سامانی کا یہ حال تھا، کہ سپاہیوں کے پاس سواریاں تک نہ تھیں۔ اٹھارہ اٹھارہ اشخاص کے حصہ میں صرف ایک ایک اونٹ آیا تھا۔ کھانے کی بے سرو سامانی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک سپاہی کے حصہ میں ایک ایک چھوٹا سا کھانا آیا تھا۔ پھر تبوک کا سفر بھی دودھ و دال کا سفر تھا۔ اور دوسری طرف قیصر روم ہر قتل و لاکھ جابجا سپاہیوں اور ہر قسم کے سامان جنگ سے آراستہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ الغرض یہ حق و باطل کا سخت معرکہ تھا۔

یہ رسول اللہ کا آخری غزوہ تھا۔ اس کے بعد آنحضرت نے کوئی غزوہ نہیں کیا۔ اور اس کے چند ماہ بعد ہی آپ کا وصال

بقیہ صفحہ گذشتہ: ہر مہینہ دین الہی کا دو سرائام ہی القلم رکھا ہے۔ طالعین قرآن کی نسبت لکھا گیا، کہ ان کے سینوں

میں علم ہے۔ نیز کہا، قرآن ہر ماں ہے۔ اور نور و ہدیٰ ہے۔ سراسر علم و حکمت ہے۔ اس میں شک و ریب کا گندہ کماں اگر شک و ریب ہو، تو یہ خود ذہن انسانی کی کجی ہے۔

ایمان والوں کے لئے۔ بیشک طمانت نفس اور زوالِ شک کا باعث ہے۔ اور باب کفر و فراق اگر اس میں ظن و شک کریں، اور تخمین و قیاساں دوڑائیں تو یہ خود ان کے دلوں کا مرض ہے۔



ہے۔ اور رزق حلال حاصل ہوتا ہے۔ پس تقویٰ کے کلمہ سے بڑھ کر بھروسہ کی کوئی بات نہیں۔

### (۳) وَخَيْرُ الْمَلِئِ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ

(سب ملتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام ہے) (حدیث)

یہود و نصاریٰ کو بھی ملت ابراہیمی ہونے کا دعویٰ تھا۔ مگر قرآن حکیم نے علی الاطلاق کدیاکہ یہود و نصاریٰ کو ملت ابراہیمی سے دھوکا بھی تعلق نہیں۔ بلکہ وہ دونوں راہ حق سے ہٹنے ہوئے ہیں۔ اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ ملت ابراہیمی کے اصل پیرو امت محمدی اور خدایان توحید ہیں۔ اور یہی ملت ابراہیمی تمام ادیان و ملل سے بہتر و افضل ہے۔

جب مسلمان ہی ملت ابراہیمی کے اصلی پیرو ہیں، تو ان کو چاہئے کہ وہ خالص طور پر خدا کے ہو جائیں۔ اور شرک و بدعت کے نزدیک بھی نہ جھکیں۔ ورنہ ان کا مسلمان ہونا محض دوش ہو جائے گا۔ اس خصوصیت کی بنا پر مسلمان میں بہان دنیا کی برائیاں اور کمزوریاں جمع ہو سکتی ہیں، مگر وہ مشرک اور بدعتی نہیں ہو سکتا۔

ملت ابراہیمی کے پیروؤ! جانتے بھی ہو، ملت ابراہیمی کی شرط اولین

کیا ہے؟ یکسر اطاعت و فرمانبرداری بنانا۔ اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا، پینا، چلنا، پھرنا اور بیٹنا و مرنے سب کچھ خدا کے لئے ہو جانا۔ اور اپنی فطرت کو صالح اور قلب کو سلیم رکھنا۔ ملت ابراہیمی نام ہے سب سے کٹ کر صرف خدا سے بڑھانا۔ اور حق و صداقت کے لئے سب کو چھوڑ دینا۔ امت مسلمہ کے سب سے اول مومنین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت تک کے لئے توحید کے پرستاروں کے سامنے

حکمت، صداقت کی بنیاد ہی قرآن نے رکھی۔ قرآن حکیم کتنا ہے۔ میں پیام محبت و برہان ہوں۔ دعوت علم ہوں۔ میں بصیرت ہوں۔ اور حق و صداقت کی ایک ہی راہ ہوں۔ پس ارشاد رسول کا خشا و مفاد یہ ہے، کہ جو شخص حق و صداقت تک پہنچنا چاہے۔ اور جو ہدایت و حقیقت کی طلب رکھتا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس کا نزول ہوا ہی اس لئے ہے کہ قرآن والے اس کے دوسرے فکر سے اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ اپنے تمام اعمال و افکار کی بنیاد کتاب الہی پر رکھیں۔ اور ہر فرد اسلام اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے۔

### (۲) وَاتَّقُوا الْعُرَى كَلِمَةُ التَّقْوَى

(سب سے بڑھ کر بھروسہ کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے) (تفسیر)

تقویٰ کے معنی اپنے نفس کو خدا کی نافرمانی سے بچانا۔ گناہ کی جانب لے جانے والی چیزوں سے پرہیز کرنا اور خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا۔ جس نے تقویٰ کو حاصل کر لیا، اس نے دین دنیا کی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کو جمع کر لیا۔ تقویٰ کی ترغیب سے قرآن و حدیث پر ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-  
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُونَ  
ایک کام کریں۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :-  
وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لِّهٖ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
جو تقویٰ کرے خدا تعالیٰ اس کو  
سب سختیوں سے نجات دیتے ہیں۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتے ہیں جس کا مال اس کو معلوم نہ ہو  
یعنی تقویٰ و پرہیزگاری سے سختیوں سے نجات ملتی

کبھی عزت و کامرانی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے۔

## (۴) وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ

(سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے) (حدیث)

سیرت طیبہ نبویہ کا مطالعہ کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائیگا، کہ یہی نسخہ شفا مسلمانوں کی تمام بیماریوں اور دکھوں کا واحد علاج ہے۔ اس لئے کہ آپ شریعت الہی کے ترجمان اور اسلام کے اولین سفیر ہیں۔ آپ کو خدائے قدوس نے ساری دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ آپ کا طریقہ سب طریقوں سے بہتر کیوں ہے؟ اس لئے کہ آپ ہی دنیا کے نجات دہندہ ہیں۔ آپ کی زندگی کی صداقت اور جامعیت انسانی زندگی کے تمام عقدوں کا حل ہے۔ جن کی شان میں کہا گیا ہے: ہر

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کا وجود اقدس اسلام کی تہذیب ہے۔ دنیا

اسلام کا تمدن ہے۔ مسلمانوں کا وطن اور قومیت ہے۔

وہی قانون مذہب بھی ہے۔ حضور اقدس ہی سیاسیات

اسلامی کے ترجمان ہیں۔ اور اسلام کا نظام معاشرت نظام

اخلاق کا بانی ہے۔ دنیا والوں نے زندگی اور اقبال مندی

کے طریقے آپ ہی کے طریقہ سے سیکھے ہیں۔ انسانی فکر

و عمل کو صحیح راہیں آپ ہی کی تعلیمات نے بتلائی ہیں۔

آپ کا طریقہ عالم کو نور ہدایت سے بریز کر رہنے کا ذمہ دار

ہے۔ اقوام عالم کی نجات و رستگاری کا کفیل ہے۔ اور آج

قولائے انسانی پر آپ ہی کے طریقہ کی حکومت ہے۔ پس

مسلمانوں کی زندگی اور ترقی کی صحیح راہ یہ ہے، کہ وہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کا مکمل طور پر اتباع کریں۔

کو نسا اسوہ حسنہ چھوڑا؟ یہ کہ آپ نے حق و حریت کی حمایت

و حفاظت کے لئے اپنی قوم سے علیحدگی کر لی۔ اور صاف

اعلان کر دیا کہ میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے بری ہوں۔

کلمہ حق کی خاطر اس کائنات نے آگ میں گودنا گوار کیا۔

آپ نے اپنے وطن کو ترک کر دیا۔ مگر دعوت الی اللہ کے ہم

واقدم فرض کو ترک نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے اس طرز

عمل سے بتا دیا کہ اگر کبھی قومیت و اسلام میں تضاد

ہو تو ہر مسلم قانت کا فرض ہے کہ وہ فوجا اس کی پابندی

سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔ اور وطنیت اسلام کے

مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

پیائے ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ کی محبت اور

حق و حریت کی حمایت و حفاظت کے لئے صرف قوم و

وطن ہی کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ اپنی عزیز ترین متاع

حیات یعنی اپنے نخت جگر اور نور نظر حضرت اسمعیل

علیہ السلام پر بھی تسلیم و رضا کی چھری چلا دی۔ ان ابراہیمی

کلمات کے ظاہر ہونے کے بعد کیا ہوا؟ آپ تمام

دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے۔

جو مسلمان ان اوصاف و خصائص اور فضائل و

کلمات کا حامل نہیں، وہ صحیح معنوں میں ملت ابراہیمی

کا پر و نہیں۔

پس مسلمانو! اگر امامت و پیشوائی کی خواہش

ہے۔ اور دین و دنیا میں سرفرو و کامیاب ہونا چاہتے

ہو تو اپنے اند ابراہیمی آثار و فدویت اور اسمعیلی فداکاری

و سرفروشی پیدا کرو۔ کیونکہ ملت ابراہیمی کے لئے یہ چیزیں

الزم اللوازم ہیں۔ کامیابیوں کی بنیاد قربانی ہے۔ امامت

و پیشوائی کے لئے جانی اور مالی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

اگر تمہارے اند جانی و مالی قربانی کا جذبہ نہیں، تو تم دنیا میں

## ۵) وَأَشْرَفُ الْكَذِبِ ذِكْرُ اللَّهِ

(سب باتوں پر اللہ کے ذکر کو شرف ہے) (حدیث)

اللہ کی یاد مذہب کی جان اور روح انسانی کی غذا ہے۔ ذکر الہی کے بغیر روح ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ آج جبکہ دلوں پر مادیت و غفلت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے، اس کا علاج صرف اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کی یاد دونوں جہان کا نور ہے۔ جس دل میں خدا کی یاد نہیں، وہ دل نہیں، بلکہ پتھر کا ٹکڑا ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں۔  
لَا بَدَلَ لَكَ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ يَادُكَمُ وَاللَّهُ ذَكَرَ هِيَ الْقُلُوبِ -  
ولنکم اللہ اکبر۔  
میں قلب کا اطمینان ہے۔  
بیشک اللہ کا ذکر بڑا ہے۔

جس دل میں اور گھر میں خدا کی یاد نہیں وہ ویران و برباد ہے۔ انسان کو بغیر اللہ کی یاد کے کسی طرح الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات نہیں مل سکتی ہے۔ ذکر الہی سے انسان عاجزی کی طرف جھکتا ہے۔ اور خود بخود برائیوں اور غفلتوں سے بچتا ہے۔ پس یاد الہی کو جز جان بناؤ، اور دین و دنیا میں بھلو پھلو۔

## ۴) وَلَحَسْرُ الْقَصْرِ هَذَا الْقُرْآنُ

(سب واقعات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے) (حدیث)

اس لئے کہ قرآن مجید نہایت پاکیزہ و مقدس کتاب ہے۔ خدا تعالیٰ کا وہ کلام ہدایت نظام ہے، جو بھولے بھٹکوں کو راہ ہدایت و سعادت بتلاتا ہے۔ اس کی تعلیمات عقل و فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ جن کا عمل انسانیت، مذہب و اخلاق اور روحانیت کی انتہائی بلندیوں پر پہنچاتا ہے۔ اور اس کے واقعات و حقائق روح کو جگاتے ہیں۔ قرآن

مجید کے احکام نہایت حکم، صاف اور روشن ہیں۔ وہ دین و دنیا دونوں کا سپار ہنما ہے۔ قرآنی اصول کی پیروی جان بخی ہدایت و سعادت کی راہیں کھولتی ہے۔ وہاں دنیوی تقویٰ و برتری اور فائز المرامی و کامیابی کی بھی ضمانت و کفیل ہے۔ جس نے اس کو مضبوط پکڑ لیا، اس کو وہی جہان کی بھلائی و برتری باقہ آگوش۔ اور جس نے اس کو چھوڑا اس کے دونوں جہان تباہ ہوئے۔

## ۶) وَخَيْرُ الْأُمُورِ عَوَازِمُهَا

(بہتر کام الوالعزیم کے کام ہیں) (حدیث)

شریعت فقط قیل و قال کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس کے عملی حصے فائدہ اٹھانے کا نام ہے۔ شریعت کے ظاہری و باطنی ارکان و آداب کی پابندی سے زیادہ کوئی کام اولو العزمی کے نہیں۔ مومن قانت کے عزم کی بلندی و اصل بخت ہونا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ظہورِ عمل اور دلی شوق و رغبت کے ساتھ احکام اسلام کی پابندی کرے۔ اور ہر حالت میں راضی رہ کر دنیا جہان کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرے، تو اس کے عزم کی بلندی عرش سے باتیں کرتی ہے۔ اس پر انوار و تجلیات منکشف ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ نمازیں روایتِ خداوندی کے بلند تخیل سے چشم حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور تجلیات عرفانی کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔

# پاکستان میں عربی زبان کی اہمیت ضرور

حسب  
مولانا سید سیاح الدین صاحب کا کاخیل صدر مدرس مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائلپور

گورنمنٹ کالج لائل پور کے عربی پڑھنے والے طلبہ نے ”لجنہ استقاء العہدنی“ کے نام سے ایک انجمن بنائی ہے۔ تاکہ کالج کے یہ طلبہ عربی کی ترقی اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک تنظیم کے ماتحت کوشش کیا کریں۔ ۴ دسمبر ۱۹۵۶ء کو اس انجمن کا ایک اجتماع گورنمنٹ کالج لائلپور میں منعقد ہوا۔ ایم ڈی جودھری صاحب ایم اے عربی کچھار کالج کی دعوت پر مولانا سید سیاح الدین صاحب کا کاخیل نے اس اجتماع میں شرکت کی اور مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا۔ افادہ عام کی خاطر مولانا موصوف کی اجازت سے ”شمس السلام“ کے صفحات پر بھی اس کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ مقالہ میں خطاب تو کالج کے طلبہ سے ہے۔ لیکن درحقیقت پاکستان کے تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ (اداسہ)

اس مادی کائنات کو پیدا کیا۔ اور اس میں اشرف المخلوقات انسان اور اس کی ساری قوتوں کو بھی پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ان پیدا کی ہوئی انسانی قوتوں میں ایک اس کی قوت بیان بھی ہے۔ اس قوت کے ذریعہ انسان اپنی مافی الضمیر کا اظہار کرتا اور جو کچھ خود سمجھتا یا محسوس کرتا ہے وہ دوسروں کے سامنے بھی بیان کر کے سمجھاتا اور محسوس کرتا ہے۔ خلق الانسان علمہ البیان۔ اس رحمان نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اسکو گویائی سکھائی۔ اور بیان کی تشریح لغوین کے ہاں: المنطق الفصیح للعہد عہد فی الضمیر ہے۔ یعنی ایسی صاف اور سمجھ میں آنے والی گفتگو جو اس تمام مضمون کو اچھے طریقہ سے واضح کر کے سمجھا دے جو دل کے اندر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بے شمار مظاہر میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اس نے مختلف انسانوں کے لب و لہجہ اور طرز گفتگو اور زبانوں کو مختلف بنایا۔ اور مافی الضمیر کے ادا کرنے کے لئے مختلف قسم کی لغات اور طرز تعبیر

الحمد لله وكفى والمصلوة والسلام على نبينا  
المصطفى وعلى آله واصحابه وازواجه ومن  
تابعهم باحسان الى يوم الدين۔ اما بعد  
جو نوجوان طبقہ موجودہ ناساعد ماحول میں عربی سیکھنے کی کوشش کرتے اور اس کے لئے وقت دیتے ہیں، اقبال مرحوم کی زبان میں وہ ستاروں پر کند ٹلنے والے باہمت ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے، کہ ہم محبت مجھے بن جوانوں سے ہے۔ ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند ایسے نوجوانوں سے خطاب کرنے اور ان کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کا آج مجھے جو موقع اس ”لجنہ استقاء العہدنی“ کی طرف سے دیا گیا ہے، میں محض رسمی طو پر نہیں بلکہ دل سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اظہار تشکر کے اس ادائے فریضہ کے بعد عرض ہے:۔  
محترم عزیزو! اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے



اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔  
 وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافِ  
 السَّنَاتِ وَالْوَاكِنُ أَنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالَمِينَ۔  
 اور اسی کی نشانیوں میں آسمان وزمین کا بنانا ہے۔ اور تمہارے  
 شب و بچہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے۔ اس میں دانش  
 مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ پس اگر اس حیثیت سے  
 دیکھا جائے تو دنیا کی ساری زبانیں جہاں کہیں بھی بولی جاتی  
 ہیں سب ایک برابر ہیں۔ اور سب کی سب اللہ تعالیٰ قدرت  
 کی نشانیاں، اور ہمارے لئے عبرت پذیریری کا سامان ہیں۔ اور  
 جب ہم کبھی اس حیثیت سے بحث کرنا چاہتے ہوں تو کسی  
 افتیاز و ترجیح کے بغیر تمام انسانی زبانوں سے بحث کریں گے۔  
 اور سب کو ایک مرتبہ پر رکھ کر عبرت اندوزی کے لئے اُن کا ذکر  
 کریں گے۔ لیکن ان زبانوں کی ایک اور حیثیت بھی ہے۔ اور  
 وہ یہ کہ ان مختلف زبانوں میں سے کونسی زبان سب سے زیادہ  
 مفید اور علمی ہے۔ کس کے ذریعہ سے انسانیت کی زیادہ خدمت  
 ہو سکتی ہے۔ اور کس کے سیکھنے سکھانے اور عام کرنے کے  
 ساتھ ہمدی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔ اور ہمارے مخصوص  
 حالات اور زندگی کے مخصوص تقاضوں کے مطابق کس زبان  
 کے ساتھ زیادہ تعلق رکھنا اور اسے اپنا ہمارے لئے ضروری  
 ہے۔ جب انہیں امور کو پیش نظر رکھ کر بحث کی جائے تو  
 لازماً بعض زبانوں کو بعض دوسروں پر ترجیح دی جائیگی۔ اور  
 مخصوص زبانوں کو مخصوص حیثیات کی بنا پر ممتاز اور افضل  
 قرار دیا جائے گا۔ اور آج میں حاضرین کرام سامنے اس حیثیت  
 سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

علم الاسد کے علماء نے تمام دنیا کی زبانوں کی، اُن  
 کی مشابہت الفاظ کی بنا پر تین قسمیں قرار دی ہیں۔ یہی تینوں  
 قسمیں دنیا کی اصلی زبانیں تھیں۔ اور موجودہ ہزاروں زبانیں

انہی کی شاخیں ہیں۔ (اول، اریائی یا ایرین۔ (دوم، تووانی یا  
 ٹیرین۔ (سوم، سامی یا سمٹیک۔ پہلی قسم کی زبانوں میں  
 سنسکرت، فارسی، انگریزی، فرینچ، لاطینی وغیرہ ہیں۔  
 دوسری قسم میں چینی، تاملری، ترکی وغیرہ۔ تیسری قسم  
 میں جس کا نام سامی ہے، وہ زبان داخل ہے جس کے بارے  
 میں آج میں آپ سے خطاب کر رہا ہوں، یعنی عربی۔ سامی  
 زبان سے جتنی زبانیں نکلیں وہ جن جن ملکوں میں جاتی ہیں  
 ان کی نسبت سے ان کی تین قسمیں ہیں۔ جنوبی ملک کی شاخ،  
 درمیانی ملک کی شاخ اور شمالی ملک کی شاخ۔ جنوبی شاخ میں  
 عربی زبان اور حبشی زبان ہے۔ اور ان میں عربی ایک زندہ اور علمی  
 زبان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت قرآن مجید اور احادیث  
 رسول اللہ کی برکت سے زندہ رہنے والی ہے۔ اور اعلیٰ ترین علمی  
 زبان رہیگی۔ البتہ حبشی زندہ تو ہے، لیکن علمی زبان کی  
 حیثیت نہیں رکھتی۔ درمیانی ملک کی شاخ میں عبرانی، بلوچی،  
 خندھری۔ یہ تین زبانیں ہیں۔ جن میں سے عبرانی ایک علمی زبان  
 تھی۔ اور اس کا ایک اہم دور گزرا ہے۔ لیکن اب وہ ایک زندہ  
 زبان نہیں، بلکہ مردہ ہو چکی ہے۔ اگرچہ اسرائیل کی موجودہ غیر  
 آئینی حکومت اپنے جوش و جذبہ اور وسیع ذرائع و وسائل  
 کی بنا پر اسے پھر زندہ کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔  
 بنطی اور تدمری دونوں مردہ اور غیر علمی زبانیں ہیں۔ شمالی  
 ملک کی شاخ میں آرامی، کلدانی اور سریانی تین زبانیں ہیں۔  
 ان میں سے سریانی علمی زبان رہی ہے۔ لیکن آج کل وہ بھی مردہ  
 ہے۔ اور اسے زندہ کرنے کی کوئی کوشش بھی نہیں ہو رہی ہے۔  
 اور آرامی اور کلدانی پہلے بھی غیر علمی زبانیں تھیں۔ اور اب مردہ  
 بھی ہو چکی ہیں۔ مذکورہ بالا تمام زبانیں اصل زبانوں سے نکل کر  
 مستقل زبانیں نہیں۔ لیکن جس طرح ایک قوم میں دوسری  
 قوم کے اختلاط سے اس کے رسوم و رواج، عقائد و خیالات

و فتح و لباس اور اخلاق وغیرہ میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے، اسی طرح قوموں کی زبانوں میں بھی باہمی میل جول اور اختلاط سے ہمیشہ ایک انقلاب پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اور جس طرح دنیا کی وہ تمام چیزیں اور تمام قومیں جو اس اختلاط مزاحمت اور انقلاب کو برداشت نہیں کرتیں، فنا ہو جاتی ہیں۔ یا اپنی ہیئت اور قومیت کھو بیٹھتی ہیں۔ اسی طرح وہ زبانیں جو دوسری زبانوں کی کشمکش، مزاحمت اور اختلاط کی متحمل نہیں ہوتی دنیا سے مٹ جاتی ہیں۔ یا بدل کر دوسری زبانیں بن جاتی ہیں۔ اور جس طرح قوم وہ ہے جو ہمیشہ انقلابات اور تاثرات کا مقابلہ کرتی ہے۔ اور ہر ضرورت اور ہر زمانہ کے مطابق تیار ہو جاتی ہے، اسی طرح زندہ زبان وہ ہے جو انقلابات و تغیرات کا ہمیشہ مقابلہ کرے۔ اور ہر ضرورت اور زمانہ کے مطابق تیار رہے۔

اس وقت تمام تاریخی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ تاریخی دلائل کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بتا دیتا کہ واقعات شاید ہیں، کہ عربی زبان ان امتحانات میں کامیاب رہی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ کامیاب رہے گی۔ عہد جاہلیت میں اس کا یونانی، لاطینی، حبشی اور فارسی سے دوستانہ اختلاط رہا اور نہ مٹی۔ عہد اسلام میں اس کو دنیا کی تمام زبانوں سے فاتحانہ مقابلہ کرنا پڑا۔ اور کامیاب رہی۔ اور موجودہ زمانہ میں وہ پھر اپنی ہمسایہ زبانوں سے اور یورپ کی تمام زبانوں سے مقابلہ کر رہی ہے، اور زندہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کو یہ زندہ جاوید حیثیت اور یہ فاتحانہ رتبہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن مجید اور اس کے صادق و امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی برکت سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید ایک ایسی علمی

کتاب ہے، کہ دنیا کی کوئی کتاب اس حیثیت کے ساتھ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور رسول اللہ کے ارشادات علم و معرفت، اصول اخلاق و تمدن اور قوانین ضوابط حیات کے جواہر پرزے ہیں۔ اس لئے دنیا میں جب تک قرآن و حدیث باقی ہیں، اور یقیناً حسب وعدہ خداوندی تاقیام قیامت دونوں باقی رہیں گے، تو اس وقت تک عربی زبان بھی باقی اور زندہ رہے گی۔ دنیا کی کسی دوسری زبان کے بارے میں اس قدر قطعیت کے ساتھ یہ پیش گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ مستقبل میں ضرور باقی رہے گی۔ اور یا اپنی اسی حالت میں محفوظ رہے گی جو اس کی اب ہے۔ لیکن عربی زبان کے بارے میں ایک مسلمان پورے جزم و یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لنہ لحافظون، کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی حفاظت فرمائیں گے تو قرآن مجید کی حفاظت کے ساتھ ساتھ وہ خالص عربی زبان ہو عربی میں ہے محفوظ رہے گی۔ اور جب قرآن مجید کی آیات احکمت آیات کی بنا پر حکم و مضبوط اور ہر تغیر و تبدل سے محفوظ ہیں تو عربی زبان بھی حکم و مضبوط اور حوادث زمانہ کی وجہ سے تغیر پذیر ہونے سے محفوظ رہے۔ سرزمین عرب میں آفتاب اسلام کی ضیا پاشیوں سے

قبل کا زمانہ دور جاہلیت کہلاتا ہے۔ اس دور میں بھی عربی زبان ایک ترقی یافتہ ادبی زبان تھی۔ اور ہن کو اپنی فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت پر ناز تھا۔ اور وہ اپنے مقابلہ میں دنیا کی دوسری قوموں کو مجسم بیچے گو نگے کہا کرتے تھے۔ اور عربی زبان جذبات و احساسات اور ہر طرح کے قلبی واردات اور اخلاقی تعلیمات کا ایک بہترین ذریعہ تھی۔ اور اس دور کے محفوظ اشعار و خطبات میں شجاعت و سخاوت، و فائے عہد و مہیاقت، حکیمانہ

مواظف و نصائح اور کسی کی موت پر قلبی تاثر و رقت کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ لیکن بعثت محمدی اور نزول قرآن مجید کے بعد تو اس زبان کو وہ خصوصی کمالات حاصل ہوئے جو دنیا کی کسی زبان کو حاصل نہیں۔ اور اسی زبان کے لباس دلکش میں مختلف علوم و فنون کے حسین و جمیل عروس معانی نے جلوہ گر کی کی۔ اور اقوام عالم کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور اس سائے تیرہ سو سال کے طویل عرصہ میں ہر علم و فن کا اتنا بڑا ذخیرہ اس زبان میں جمع کیا گیا ہے، کہ موجودہ ترقی یافتہ دور کی کوئی ترقی یافتہ دوسری زبان اب بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ علوم معاد، تفسیر و حدیث، فقہ و اصول، کلام و تصوف اور ان کے مبادی کے علاوہ علوم معاشی یعنی حکمت و فلسفہ، طبیعیات، ریاضی، حساب، ہندسہ، فلاحت، زراعت، تجارت، صنعت اور ان کے تعلقات کے بارے میں بھی چھوٹے بڑے بے شمار رسائل اور ضخیم ضخیم کتابیں لکھی گئیں۔ اگر آج کوئی شخص خلیفہ چلی کی مشہور کتاب "کشف الظنون" اٹھا کر دیکھے تو اسے اندازہ ہوگا، کہ ہمارے اسلاف نے علوم و فنون کے تزیینات کو کس طرح علمی جواہر و درر سے مالا مال کیا ہے۔ اور عربی زبان کے ذریعہ انہوں نے کس قدر شاندار علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ پس اگر محض علمی حیثیت و افادیت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ دنیا بھر کے علم دوست اور انسانیت کے خیر خواہ انسانوں کے لئے عربی زبان نہایت ضروری اور اہم ہے۔ اس زبان کو سیکھنے اور سمجھنے کے بعد وہ علمی دنیا میں نہایت کامیابی کے ساتھ علمی ترقی کر سکتے ہیں۔ اور ہر شعبہ زندگی میں اسلاف کی محنتوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور ایسے فوائد حاصل کر سکتے ہیں جن کی ہم کو آج بھی نہایت شدید

ضرورت ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ علم دوست ہیں وہ اس نکتہ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور عربی زبان کی اہمیت و افادیت کو سمجھتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے، کہ یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں میں آج بھی عربی زبان کی تعلیم و تعلم کو پوری اہمیت دی جا رہی ہے۔ اور وہ کسی مذہبی عقیدت کی بنا پر نہیں، بلکہ ایک زندہ علمی اور مفید زبان کی حیثیت سے اس میں مہارت حاصل کرنا علمی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں وہاں نئی نئی تحقیقات ہوتی رہتی ہیں۔ قدیم نایاب کتابوں کو زرخیز صرف کر کے دنیا بھر کے کتب خانوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر ان کی تصحیح و ترتیب اور ان کی شرح و تفسیر پر وقت اور رقم خرچ کر کے ان کو طبع کیا جاتا ہے۔ اور یہ ساری محنت وہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ہاں اس زندہ اور علمی زبان کی قدر ہے۔ اور وہ اسے علم کا نفاذ سمجھتے ہیں کہ علمی زبان اور علمی کتابوں کی قدر افزائی ہو۔ اور آج ہماری نایاب اور علمی کتابوں کا بیشتر ذخیرہ ہماری ناقدری کی وجہ سے ہم سے منتقل ہو کر یورپ و امریکہ کی ان لائبریریوں میں پہنچ گیا ہے۔ اور اقبال مرحوم نے اسی کا رونا رویا ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کی تکلیف و ادباری مرثیہ خوانی کر کے کہا ہے، کہ

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شوقی

نہیں دینا کہ آئین مسلم سے کوئی چسار

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبار کی

جوان کو دیکھیں یورپ کے تو دل ہوتا ہے سیپار

غنی روز سیار پیر کنعان را نقاشا کن

کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

عربی زبان کی اس عام ضرورت و افادیت کے علاوہ مسلمانوں کے لئے تو خاص طور سے اس کی ضرورت و اہمیت ہے۔ مسلمان کہتے اس شخص کو ہیں جو اپنی عملی زندگی میں اللہ و رسولؐ کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک اللہ و رسولؐ کے احکام و قوانین کا علم نہ ہو تو اطاعت کہاں کی جاسکتی ہے۔ اور اللہ و رسولؐ کے ان احکام و قوانین کا علم قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ کی زبان عربی ہے۔ لہذا براہ راست قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ سے اللہ اور رسول کے حکم کو معلوم کرنا اور سمجھنا عربی زبان کے جاننے پر موقوف ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے دور سعادت اور ان کے بعد آنے والے تابعین و تبع تابعین، اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ بابرکت کے اسلامی نقشہ اور طریق زندگی اور نظام حکومت کی پیروی کریں، اور ان پاکباز اور مقدس حضرات کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزاریں۔ اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تاریخ و سیر کی ان کتابوں سے استفادہ کریں جن میں ان باسعادت زمانوں اور سلف صالحین کے احوال و کوائف اور سوانح و واقعات مذکور ہیں۔ اور یہ سارا ذخیرہ عربی میں ہے۔ اس لئے ایک مسلمان فرد کے لئے انفرادی زندگی گزارنے، اور ایک مسلمان قوم کے لئے اجتماعی اسلامی زندگی گزارنے کے لئے عربی زبان سے کما حقہ واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اور ۵

گرچی خواہی مسلمان زیستن نہایت ممکن جزوہ قرآن زیستن کے نظریہ کے مطابق قرآن کا جاننا اور کے لئے عربی زبان کو کما حقہ جاننا اسلامی زندگی کے لئے ایک لازمی مسئلہ ہے۔ بلکہ

اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے عربی زبان ان کی قومی زبان ہے، تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں، کہ وما اس سلناک الا رحمة للعالمین۔ یا ایہا الناس اتی س رسول اللہ الیکم جمیعاً۔ وما اس سلناک الا کافۃ للناس۔ و لکل قوم ہاد۔ اور اس مضمون کی دوسری آیات بنیات اور بعثت الی الناس کافۃ۔ و بعثت الی الاسود و الاحمر۔ اور اس مضمون کی دوسری احادیث کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تمام اقوام کے لئے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ اور دنیا کے ہر خطہ میں جس نسل و رنگ اور جس زبان کے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا وہ اس میں الاقوامی امت (أمة وسطا) مسلمان قوم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور اختلاف رنگ و نسل اور اختلاف ملک و زبان کے باوجود کلمہ توحید و رسالت پڑھ کر مسلمان ہو جانے کے بعد یہ سب کے سب "رسول اللہ کی قوم" ہو جاتی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ وما اس سلنا من س رسول الا بلسان قومہ۔ جس رسول کو بھی ہم نے بھیجا ہے اس کی زبان اسکی قوم کی زبان ہوتی ہے۔ پس جب رسول اللہ کی زبان عربی تھی، تو جو لوگ بھی اس رسولؐ ہاشمی کی قومیت میں داخل ہو جائیں، خواہ مقامی طور پر اپنی ذاتی ضروریات پورا کرنے کے لئے وہ افہام و تفہیم کے لئے جو بھی زبان بولتے رہیں، ان کی قومی زبان ان کے رسول کی زبان ہوگی۔ اور اس لحاظ سے مسلمان قوم کے لئے اس کے مختلف افراد خواہ کہیں بھی بستے اور مقامی زبانیں بولتے ہوں، قومی زبان رسول اللہ کی زبان عربی ہے۔ اور اس لئے چند احادیث و آثار میں عربی زبان کے سیکھنے سکھانے اور اس کے ساتھ محبت رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور عربی

کے علاوہ دوسری زبانوں کے سیکھنے سکھانے اور ان میں مشغول ہونے سے یک گونہ روکا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان کا نظریہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہ وہ عربی زبان سے کسی اور زبان کو بڑھ کر سمجھنے لگ جائیں۔ اور دوسری زبانوں کے مقابلہ میں عربی کو کم درجہ دیں۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث ہے، احبوا اللہ ورسولہ وکتابہ وکلمتہ وکلام اہل الجنة ثلاثا لانی عربی والقرآن عربی وکلام اہل الجنة عربی۔ عربوں کے ساتھ تین وجہ سے محبت کرو۔ میں عربی ہوں، قرآن عربی میں ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا، من یحسن ان یشکم بالحرمیة فلا یتکلم بالعجمیة فافاء یوسف بن النفاق۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضرت فاروق اعظمؓ نے لکھا تھا، اما بعد فتقہوا فی السنۃ و تفقہوا فی العربیۃ۔ اور ایک روایت میں ہے، تعلموا العربیۃ فانہا من دینکم۔ یعنی رسول اللہ کی سنت کو اور عربی زبان کو خوب اچھی طرح سمجھ کر حاصل کرو۔ اور عربی زبان سیکھو، یہ سیکھنا بھی تمہارے دین میں شامل ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے، لا تعلموا سوا طائر الا عاجم عجیوں کی زبانیں نہ سیکھا کرو۔ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے جب دیکھا کہ کچھ عرب لوگ فارسی میں گفتگو کر رہے ہیں تو فرمایا، ما بال الجوسیۃ بعد الحنفیۃ۔ دین خنیفہ کے پیرو ہونے کے بعد یہ نجوسیت کے ساتھ تعلق کیوں؟

حضرات! جیسا کہ عرض کر دیا، عربی مبین، اور قرآن عربیاً، سمجھنے کے لئے عقلاً بھی عربی زبان کی لغات، ترکیب، اسلوب، طرز تعبیر اور محاورات کے واقفیت ضروری ہے۔ لیکن اس بارے میں خود مرثیٰ رسول اللہؐ کے ارشادات اور صحابہ کرامؓ کے اقوال واثار بھی موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنه کا ایک واقعہ نقل کر دوں۔ جس کو تمام کتب تاریخ و سیر اور تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ اویأ تخذکم علیٰ تخوف۔ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ منبر پر تشریف فرما تھے، تمام صحابہ کرام کا مجمع سامنے تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ بتاؤ تخوف کا مطلب کیا ہے؟ حاضرین مجلس میں سے قبیلہ ہذیل کا ایک بوڑھا آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا، یا امیر المؤمنین! اس کے معنی ہیں التنفص، یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے اور کم ہوتے چلا جانا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ استشاد میں کوئی شعر یا کوئی مسئلہ پیش کرو۔ اس نے فوراً کہا، یا امیر المؤمنین! قال شاعرنا۔ تخوف الرجل منها ما مکا فرداً!

کما تخوف عود الذبجۃ السفوف دیکھا وہ نے اس اونٹنی کے چرنی دار موٹے کو ان کو یوں آہستہ آہستہ گھٹا کر کم کر دیا جیسا کہ غبہ درخت کی سخت لکڑی کو تیشہ آہستہ آہستہ گھٹاتا اور چھیلتا رہتا ہے۔ اور کم کر دیا ہے، حضرت فاروق اعظمؓ اس بوڑھے دیہاتی عرب کی اس دلیل اور اس بہترین لغوی تحقیق سے بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا، ایہا الناس! علیکم بدلیوان العرب فان فیہ تفسیر کتا بکم ومعانی کلامکم۔ اے مسلمانو! تم عربی اشعار کو خوب شوق کے ساتھ فرورسیکھا کرو کیونکہ انہی کے ذریعہ سے تو تمہاری کتاب قرآن مجید کی تفسیر ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا ایک مشہور واقعہ ہے جو ادب کی کتابوں میں مذکور ہونے کے علاوہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی مشہور کتاب "اللاتقان" میں بھی موجود ہے۔ ایک دفعہ وہ مسجد حرام میں کعبہ معظمہ کے

قریب ہی تشریف فرما تھے۔ لوگ ان سے مختلف دینی مسائل پوچھتے۔ اتنے میں اس وقت کا آزاد طبع نوجوان شاعر عمرو بن ابی ربیع آیا۔ اور اس نے حضرت ابن عباس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اپنے اشعار سنائے شروع کر دیے۔ حضرت ابن عباس غور کے ساتھ سنتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان اشعار کے سننے سے ان میں مسائل کے سوال و جواب کا وہ سلسلہ رک گیا۔ بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا کہ دینی مسائل کا سلسلہ یوں رک جائے۔ اور حضرت ابن عباس عمرو بن ابی ربیع جیسے شاعر کے قصیدے سنے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے الفاظ میں بھی اس ناگواری کا اظہار کیا۔ حضرت ابن عباس نے اس وقت تو کچھ نہیں فرمایا، بس خاموش ہو گئے۔ ابھی مجلس پر غامت نہیں ہوئی تھی، کہ ایک شخص نہایت پریشان حال آیا۔ اور اس نے حضرت ابن عباس سے پوچھا، کہ حضرت قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر سمجھ میں نہیں آئی، آپ فرمادیجئے کہ انما لا تظلم فیہا ولا تضییٰ فیہا لا تضییٰ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، لا تعرق فیہا من شدۃ حر الشمس۔ اور فرمایا، کہ دیکھتے ابھی ابھی ہمارا فصیح و بلیغ عربی شاعر عمرو بن ابی ربیع مجھے یہ شعر سنا گیا ہے۔

سہأت سرجلاً ایما اذا الشمس اعرضت  
فیضحیٰ وایما بالعشیٰ فیحضر

یعنی آپ نے ایک عربی شعر کو قرآن مجید کی آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے بطور استدلال پیش فرمایا۔ اور سائل کی تسلی کر دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو! میں اشعار اس لئے سنا کرتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے کتاب اللہ کی آیات کی تفسیر میں مدد ملتی ہے۔ اور مطالب واضح ہو جاتے ہیں۔ تو کسی کی ناگواری اس پر بے جا ہے۔ اشعار کے لئے دینی مسائل کا سلسلہ روکا نہیں گیا تھا، بلکہ قرآن مجید سمجھنے

کی خاطر میں اس طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی، اللہم عجلہ الکتاب وفقہہ فی الدین۔ (اے اللہ اسے قرآن مجید سکھا دیجئے اور دین کی سمجھ عطا فرما دے)، اور اس دعا کی مقبولیت کا اثر تھا، کہ آپ خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے دقائق و غوامض کو جاننے والے تھے۔ اور اس لئے آپ کو ترجمان القرآن اور جبر الامۃ کہا جاتا ہے۔ تو حضرت ابن عباس کا قرآن مجید ہی کی خاطر یہ معمول تھا، کہ وہ زمانہ جاہلیت کے اشعار کے ساتھ زیادہ شغف رکھتے اور بے شمار اشعار ان کو یاد تھے۔

ایک مرتبہ مشہور خارجی لیڈر نافع بن الازرق ان کے پاس آیا۔ آپ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ نافع قرآن مجید کے مشکل الفاظ میں سے کسی لفظ کے بارے میں پوچھتا، کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ آپ فوراً جواب دیتے کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ وہ سوال کرتا، اهل تعریف العرب ذلک۔ کیا عرب میں سے کسی اور نے بھی اس معنی میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے؟ آپ فوراً فرمادیتے، نعم قال فلاں، ہاں فلاں شاعر نے یوں کہا ہے۔ اور اس طرح وہ دلیل میں ایک شعر پیش فرماتے۔ اور اس طرح ایک مجلس میں سو الفاظ کی دلیل میں انہوں نے سو شعر پیش کئے ہیں۔ اور یہ ان کی عربی لغت و ادب میں ہمارے کی بڑی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے: الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا العرب من القرآن الذی انزلہ اللہ بلخت العرب سرجعنا الی دیوانہا فالتقسنا معہ فذلک منہ۔ (عربی اشعار عربوں کا ایک ذخیرہ علم اور دفتر معلومات ہے۔ جب ہم پر قرآن مجید کا کوئی لفظ کھلے نہیں، تو قرآن مجید تو اللہ تعالیٰ نے عربی لغت کے مطابق نازل فرمایا ہے۔



اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔ ہمارا مذہب ہمارا کچر اور ہمارے اسلامی نظریات ہی وہ محرکات ہیں، جو ہمیں خود مختاری حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھاتے رہے ہیں۔  
(تقریر نومبر ۱۹۷۶ء)

قیام پاکستان کے بعد بھی ہمارے ذمہ واریڈروں نے ہمیشہ یہی کہا اور یہ یقین دلایا۔ اور اب جب کہ ہمارا دستور مرتب ہو چکا ہے۔ اور دستور ہی میں قرآن و سنت کو ماخذ قانون تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اسلامی اصول عدل و انصاف، اور اسلامی اصول مساوات، اور اسلامی روایات اور عینی شاعر کو جاری و ناقد اور زندہ کرنے کا آئینی عہد کیا گیا ہے، تو اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارا نصب العین اور ہدف کار متعین ہو چکا ہے۔ اور اب ملک کی صحیح خدمت اور وفاداری کا پورا تقاضا یہ ہے، کہ ہم اپنے مضابطہ حیات یعنی کتاب و سنت کے مطابق، اور اپنی روایات یعنی خلفائے راشدین اور سلف صالحین کے طریق کار اور نقش قدم پر چل کر، اور اسلامی قوانین یعنی ائمہ مجتہدین کے مستنبط فقہی قوانین کے مطابق اس مملکت کا نظام حکومت چلائیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے کتاب و سنت کا براہ راست علم، روایات سلف سے براہ راست واقفیت اور ائمہ مجتہدین کے قوانین و ہدایات احکام سے پوری پوری نیرداری ضروری ہے۔ اور یہ سارا سرمایہ عربی زبان میں ہے۔ تحقیقی علم کبھی محض ترجموں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ہم اصل منبع کی طرف رجوع کر کے وہاں سے آب صافی براہ راست حاصل نہ کریں، اس وقت تک ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے حق ادا کر دیا، اور جیسا کہ کرنا چاہتے دیا کام کر دیا اور جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بالکل خالص اور بے آمیز ہے۔

اس لئے ہم ان کے اس دفتر معلومات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں سے تلاش کرتے ہیں کہ ہم وہاں سے اس لفظ کی حقیقت و معانی کو جان لیں۔ اور حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے اذا سألوني عن غيب القل فإن القل فالتسوية في الشجر فان الشجر ديوان العرب۔ یعنی اے لوگو! جب تم مجھ سے قرآن مجید کے کسی مشکل لفظ کے بارے میں سوال کرتے ہو تو چاہئے کہ تم اسے عربی اشعار میں تلاش کرو۔ کیونکہ شہری عربوں کا ذخیرہ اور دفتر معلومات ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۱۹)

اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے، اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے عربی زبان کی جو اہمیت و افادیت ہے، اس پر عقلی اور نقلی دونوں طرح کی بہت سی دلیلیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن بحث کو ذرا مختصر کرنے کے لئے موقع و محل اور مخاطبین کا لحاظ کر کے میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے اور خاص کر ہمارے نوجوان طبقہ کے لئے جو آگے چل کر اس مملکت خدا داد پاکستان کا نظام کا سنبھالنے والا ہے، عربی زبان کا حق سیکھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اور جس پہلو سے بھی دیکھا جائے، عربی زبان میں حرارت ہمارا ایک مذہبی، قومی اور ملکی فریضہ ہے۔

میرے محترم بزرگو! اور میرے عزیز بھائیو! پاکستان کا مطالبہ اسی بنیاد پر کیا گیا تھا، کہ مسلمانوں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر دیا تھا، کہ ہم ایک ایسی آزاد مملکت چاہتے ہیں، جہاں ہم بلا شرکت غیرے کتاب و سنت کے مطابق ایک خالص دینی اور اسلامی نظام قائم کریں۔ باقی پاکستان نے بار بار اپنے اس نظریے کا اعادہ کیا تھا۔ قائد اعظم نے کہا تھا، کہ پاکستان کا نشا حصول صرف استقلال و آزادی ہی نہیں، بلکہ اسلامی نظریہ حیات اور اس کا تحفظ ہے۔ اور کہا تھا، کہ مسلمان پاکستان کا مطالبہ کرتے اس لئے ہیں تاکہ وہ اپنے مضابطہ حیات، اپنی روایات

لہذا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے دستور کو عملاً نافذ کرنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم میں یہ کثرت ایسے لوگ پیدا ہوں جو عربی زبان کو علمی انداز میں جانتے ہوں اور اُس عربی کو اچھی طرح سیکھ چکے ہوں جو قرآن و حدیث کی زبان ہے، اور جس میں ہماری اسلامی روایات کا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ ہماری درس گاہوں میں اب عربی کو محض رسمی طور پر نہیں، بلکہ ایک ضروری مقصد زندگی کی حیثیت سے داخل کرنا اور طلبہ کا پورے ذوق و شوق کے ساتھ اسے سیکھنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے دستور مملکت زیب طاق نسیان بنانے کے لئے نہیں، بلکہ ملک میں نافذ کرنے کے لئے مرتب اور منظور کیا ہے، تو پھر لازماً ہم مجبور ہیں کہ ملک میں عربی زبان کی ترویج و اشاعت کی مخلصانہ کوشش کریں۔ اور اس تک انگریزی دور میں عربی کی تعلیم کے نام سے جو بالکل برائے نام کام ہو رہا تھا، اور قیام پاکستان کے بعد بھی ہم نے اس کو ویسا ہی بالکل برائے نام جاری رکھا ہے، اس کو ناکافی سمجھیں۔ اگر ہم نے ایمانداری کے ساتھ یہ فیصلہ واقعی کر دیا ہے کہ اب قرآن مجید کو مساجد کے طاقتوں اور مدرسوں کی الماریوں سے نکال کر عدالتوں، منڈیوں، کونسلوں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی نافذ کرنا ہے، تو لازماً اس کی تعلیم بھی مسجدوں اور مدرسوں کی محدود حلقوں سے نکال کر سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی ہوگی۔ اور اس کی تعلیم معیاری عربی جانے بغیر ہو نہیں سکتی۔ لہذا عربی کے لئے اعلیٰ معیار کے مطابق انتظام کرنا ناگزیر ہے۔ یہ ہماری کتنی بدقسمتی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں یا دوسرے مستشرقین یورپ نے جو کچھ انگریزی زبان میں قرآن و حدیث کے مفہوم کو پیش کیا ہے یا اسلامی روایات کی تاریخ مرتب کی ہے یا محدثین لا کے نام

سے شرعی قوانین کی تدوین کی ہے، بس وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور انگریزی میں مہارت حاصل کر کے انگریزی زبان کے ذریعہ ان باتوں سے ہم واقفیت حاصل کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نہایت ہی پست ہمتی اور کوتاہ نظری ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ کس قدر قابل شرم بات ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو تو قرآن و حدیث کی زبان سے محروم رکھے، اور انگریز یا کسی اور مستشرق نے اسے جو کچھ اپنے آئینہ میں دکھایا ہے، یہ اسی کے آئینہ میں اپنے دین کی شکل و صورت دیکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بار بار نادانستہ اور بار بار دانتہ ہمارے عقائد، ہماری روایات اور ہمارے قوانین و احکام کی خات غلط ترجمانی کی ہے۔ اور جو لوگ ان مستشرقین ہی کے واسطے سے دین حاصل کرتے ہیں وہ ہمیشہ اسلام اور اسلام کے احکام کو غلط سمجھتے رہے ہیں۔ اور پھر انہوں نے بہت سی غلطیاں دوسرے مسلمانوں میں بھی پھیلا دی ہیں۔ ہم تنگ نظری سے کام لیکر کسی کی علمی خدمات کی ناقصدی نہیں کرتے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان مستشرقین کی سعی و کوشش کے طفیل مشرق کے بہت سے علمی نواور جو گلدستہ طاق نسیان بن چکے تھے از سر نو جاگے ہوئے ہیں۔ اور ان کی اس قسم کی علمی خدمات اپنی جگہ پر قابل مد ستائش ہیں۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ان حضرات کی تحقیق کے پردے میں بسا اوقات انتہائی خطرناک مقصد پنهان ہوتا ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی کے بارے میں ان لوگوں نے بار بار اپنی اس قسم کی ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔ ایسے ایسے افسانے تراشے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اور ان کو اسلامی روایات اور ہمارے اسلاف کی حکایات کا رنگ دے دیا ہے۔ اسلامی شریعت (فقہ) بنام قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ مگر انہوں نے یہ افسانہ تراشا کہ اسلامی فقہ رومن قانون سے ماخوذ ہے۔ اس افسانہ نے آگے چل کر ایک

امردا قعد کی حیثیت حاصل کر لی۔ اور آج مسلمانوں ہی میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جنہوں نے محمدؐ لا کا مطالعہ انگریزی کتابوں کی مدد سے کیا ہے۔ جو یہ خیال رکھتے ہیں، کہ اسلامی قعد بڑی حد تک رومن لاسے متاثر ہوئی ہے۔ اگر ہم براہ راست عربی ماخذ کو سمجھیں تو اس قسم کی غلط فہمیوں سے محفوظ رہیں گے۔

(۲) اس کے علاوہ ایک اور حیثیت سے بھی پاکستانی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ عربی زبان کو سیکھیں۔ قیام پاکستان سے قبل مطالبہ پاکستان کی دلائل میں یہ بھی کہا جا رہا تھا، کہ جب ہم ایک آزاد و خود مختار ریاست حاصل کریں گے۔ اور ہم کسی کے دباؤ میں آئے بغیر آزادانہ فیصلے کرنے کے قابل ہو جائیں گے، تو ہم مسلمان ممالک کے قدرتی محل وقوع سے ایک بہت بڑا فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ واپگ کی سرحد سے یسکر بحر اوقیانوس کے ساحل تک بہت سے اسلامی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ متصل واقع ہیں۔ ان سب کو ایک لڑی میں پرودیا جائیگا۔ اور ان سب کی ایک یثاقتی مملکت وجود میں لائی جا سکے گی۔ افغانستان، ایران، عراق، شام، اردن، ترکیہ، فلسطین، لبنان، سعودی عرب، یمن، مصر، سوڈان، طرابلس الغرب، مراکش، الجزائر، ٹیونس اور عرب کی باحالی ریاستیں ان سب کو باہمی مضبوط معاہدوں کے ساتھ ہم آہنگ بنا کر سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے پروگرام مکمل کر دیا جائے گا۔

ایک ہون مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے  
نیل کے ساحل سے لے کر تاجک کا شفر

اور پھر ان اسلامی ممالک کی یہ مشترکہ قوت دنیا کے دو بلاکوں کے درمیان توازن کا کام لے گی۔ یہ اتحاد عالم اسلامی

کا جذبہ بھی ان محرکات میں سے ایک اہم محرک تھا، جس نے مطالبہ پاکستان کے لئے مسلمانوں کو متحد کر دیا، اور انہوں نے معمول پاکستان کے لئے قربانی دیدی۔ قیام پاکستان کے بعد اگرچہ ہماری بدقسمتی سے برسرِ اقتدار طبقہ کے مخصوص مفادات اور باہمی کشمکش کی وجہ سے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ لیکن بہر حال یہ مقصد اب بھی سامنے ہے۔ اور اگر ملک میں ایسے لوگوں کو اختیار حاصل ہوگا جو آزادانہ سوچتے اور اسلام اور مسلمانوں کا بھلا ذاتی اور گردہ ہی مفاد سے بالا تر ہو کر سامنے رکھتے ہوں تو اس اہم مقصد کے لئے ضروری سعی کی جائیگی۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کامیابی ہو جائے۔ اور چونکہ پاکستان ان تمام اسلامی ممالک میں سب سے بڑا اور پر لحاظ سے اہم اسلامی مملکت ہے۔ اس لئے اس اتحاد اسلامی کی سربراہی یا اس اہم مذہبی خدمت کی بجائے اور ہی کا شرف بھی پاکستان کو حاصل ہو۔ خدا کرے کہ ہماری آرزوؤں کے مطابق سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے خواب کی یہ تعبیر اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تقوا کی یہ تفسیر ہماری زندگی میں وجود میں آئے۔ تو اس وقت ان تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک بین الاقوامی زبان ہونی چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر حیثیت سے وہ صرف عربی زبان ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا چاہئے کہ ہم ابھی سے اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھائیں۔ تاکہ اس وقت ہمیں اس سلسلہ میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ بیشتر اسلامی ممالک کی مادری اور قومی زبان بھی عربی ہے۔ اور اس زبانی موقع سے قبل بھی ان اسلامی ممالک کے ساتھ سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی روابط و تعلقات کو استوار کرنے کے لئے عربی زبان کی بڑی ضرورت ہے۔ ہمارے سفارت خانے اگر محض انگریزی جانتے والوں کے ذریعہ سے ان ممالک میں کام کرتے

سے قبل بھی ان اسلامی ممالک کے ساتھ سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی روابط و تعلقات کو استوار کرنے کے لئے عربی زبان کی بڑی ضرورت ہے۔ ہمارے سفارت خانے اگر محض انگریزی جانتے والوں کے ذریعہ سے ان ممالک میں کام کرتے

ہوں تو اس صورت میں عام مسلمانوں سے وہ ربط و تعلق قائم نہیں ہو سکتا، چنانکہ اس صورت میں ہو سکتا ہے، کہ عربی دان عملہ کام پر متعین ہو۔ اور عام مسلمانوں سے اختلاط رکھ کر وہ پاکستان کے بارے میں کام کیا کرے۔

(۳) ایک مسلمان کو کسی اچھے کام پر آمادہ کرنے کے لئے محض دوسروں کی تقاضی کی ترغیب فی نفعہ تو درست نہیں۔ لیکن بلکہ ملی غیرت کو ابھانے اور ایک اچھے اقدام پر آمادہ کرنے کے لئے بطور ہمیند و سری قوم کا کوئی نمونہ عمل پیش کیا جاتا ہے۔

میں محض اس حیثیت سے اس موقع پر یہ ضروری سمجھتا ہوں، کہ آج تک ہم مسلمان اپنے نقطہ نگاہ سے ہنود و یہود کو فروتر سمجھتے تھے۔ اور خیال تھا کہ یہ دونوں قومیں قہر مذلت میں گری ہوئی ہیں۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ آج کل یہ دونوں قومیں کس طرح اپنی قومی روایات کو زندہ کر کے زندہ قوم ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔ اس وقت ان

لوگوں کی جو عملی جدوجہد دوسرے امور میں ہو رہی ہے، اس کو چھوڑ کر اپنی پرانی مردہ زبانوں کے بارے میں ان کا جو رویہ ہے اس کی طرف آپ حضرات کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ سنسکرت ایک مردہ اور

ہزاروں برس سے صفحہ ہستی سے معدوم زبان ہے۔ اگر کبھی اس کی کوئی علمی حیثیت رہی بھی ہے، لیکن اب تو اس کی یہ حیثیت بھی فنا ہو چکی ہے۔ مگر جب ہندوؤں نے

آزادی حاصل کی۔ اور ایک آزاد سلطنت قائم کی۔ تو انہوں نے دستور کی طور پر اس مردہ کی ریزہ ریزہ لہیوں کو جوڑنے

اور ان میں جان ڈالنے کی کوشش کی۔ اور سنسکرت کی اس

مردہ زبان کو ”ہندی“ کے عنوان سے دستہ میں لیں زندہ

رکھنے کا حزم بالجزم کر دیا۔

یونین (حکومت) کا فرض ہو گا کہ وہ ہندی زبان

کی اشاعت کرے۔ اور اسے اس طرح فروغ دے کہ ہندوستان کی مشترکہ ثقافت کے تمام عناصر کیلئے وہ ذریعہ اظہار بن جائے۔ اور اپنے خراج کو مجروح کئے بغیر ہندوستانی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کے اسلوب طرز اور انداز اظہار کو اپنے اندر سمو کر اور جہاں ضروری یا مناسب ہو اولاً سنسکرت زبان سے اور ثانیاً دیگر زبانوں سے اپنے خزانہ الفاظ میں اضافہ کر کے اپنے لسانی سرمایہ میں ترقی کرے۔

اور پھر عملی طور سے آپ کو معلوم ہے کہ ہزار ہا لاکھوں کے باوجود انہوں نے سنسکرت کے نئے ادیشن ”ہندی“ کو بھارت میں عام کر دیا۔ اور اسکو کافی ترقی دی ہے، اور دے رہے ہیں۔ اور انگریزی سے آہستہ آہستہ چھپا چھڑا رہے ہیں۔

اس طرح یہودیوں نے جب امریکہ دہرطانیہ کے سہارے ہزاروں برس بعد ایک چھوٹی سی ریاست بنادی، تو انہوں نے ریاست کا نام اسرائیل رکھا۔ اس چھوٹے سے خطہ کو یہودیوں کا قومی وطن قرار دیا۔ اور ہر یہودی کو اس میں داخل ہونے اور بسنے کی اجازت دی۔ اور پھر اپنی ریاست کے دستور میں یہ درج کر دیا، کہ ریاست اسرائیل کی سرکاری زبان عبرانی ہوگی۔ (دفعہ ۵)

اور یہ عبرانی وہ زبان ہے۔ جو ہزاروں برس سے مردہ ہو چکی ہے۔ اور اسکی کوئی علمی حیثیت باقی نہیں۔ لیکن یہود نے اپنے قومی تحفظ

کی خاطر ایسی مردہ زبان میں پھر جان ڈالنے اور اسکو ریاست کی سرکاری زبان قرار

دینے کی کوشش کی ہے۔ اور عملاً وہ تمام ذرائع و وسائل اس زبان کو زندہ اور علمی

بنانے کیلئے صرف کر رہے ہیں۔ ہنود و یہود کے تو یہ غراں ہوں، اور ہمارے مسلمان

نوجوان زندہ جاوید علمی زبان عربی کی طرف توجہ نہ دیں، تو یہ کس قدر نامناسب

اور ملی غیرت کے خلاف ہے۔

اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔ اور اگر پاکستان کے باشندے اپنے زندہ قوم کی حیثیت سے اس کے زمین پر زندگی بسر نہ کریں گے تو وہ لازماً جلد از جلد در خلاصی کی قبیح نشانی انگریزی زبان کو کمر ترک کر کے اردو کو رائج کرنے میں ترقی دینے اور مکمل طور پر اپنانے کا کام سر انجام دیں گے۔ اور یہ حقیقت ظاہر ہے کہ اردو کے ابواب

میں ترکیبی میں غالباً ہندو عربی زبان کے الفاظ و کلمات ہیں۔ اور عربی الفاظ ہی کی برکت سے اردو کی حلاوت و کشی وسعت و بزرگبری ہے۔ اور اس میں ہر طرح کے جذبات و خیالات اور احساسات کی ترجمانی کی

# کتاب تریں رفیقہ

- پیغام احق : حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دہلوی مرحوم کی آخری محرکہ آلاء لغز، مذہب پر سیر حاصل تصبر کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۰/-
- تفسیر آیت مباہلہ : مصنف مولانا عبد الشکور صاحب کھنوی، قل تعالوا ندع ابننا وعامہ کمر کی معجہ تفسیر اور شیعوں کے مخالف کا ازالہ۔ قیمت ۱۲/-
- تفسیر آیت امامت : مصنف مولانا عبد الشکور صاحب کھنوی، قرآن مجید کی ان تمام آیات کی تفسیر جن میں لفظ امام آیا ہے۔ اور مسئلہ امامت پر سیر حاصل تصبر۔ قیمت ۲۱/-
- تفسیر آیت میراث ارض : مصنف ایضاً، ولقد کتبنا فی الزبور الخلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت۔ قیمت ۱۵/-
- تفسیر آیت اولی الامر منکم : مصنف ایضاً، آیت اطیعوا اللہ واطیعوا اللہ رسول واولی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مخالف کا جواب۔ قیمت ۲۱/-
- تفسیر آیت معیت : مصنف ایضاً، آیت محمد رسول اللہ، والذین معہ الخ کی تفسیر، حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ برحق ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۱/-
- تفسیر آیت تکمین : مصنف ایضاً، آیت الذین ان کلمتم فی الارض الخ کی تفسیر، جس کا ثبوت کیا گیا ہے کہ حضور کے اصحاب مجاہدین کی بارگاہ النور میں بڑی عزت تھی۔ ان میں سے ہر ایک امت و خلافت کی قابلیت کھاتا تھا۔ انکی خلافت قرآن کی موجودہ خلافت ہے۔ اور انکے بعد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ و مقبول ہیں۔ قیمت ۲۱/-
- تفسیر آیت رضوان : مصنف ایضاً، آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین کی تفسیر، جس کا ثبوت کیا گیا ہے کہ حضور طافا ثلثہ اوتامہ صحابہ مدینہ منیہ جنتی ہیں۔ اور خلافت ان سے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ قیمت ۲۱/-
- تفسیر آیت مودۃ القربی : مصنف ایضاً، آیت قل لا اسئلكم علیہ اجراً الخ کی معجہ تفسیر جس کا ثبوت کیا گیا ہے کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالہ سے محبت اہل بیت کو اجور سالتہ کہتے ہیں، یہ قرآن کی معنوی تخریف اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر نہایت سخت حملہ ہے۔ قیمت ۱۰/-
- ابوالائمہ کی تعلیم : مصنف ایضاً، جس میں شیعہ کتب کے ثبوت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص محبت حضرت علیؑ اور پیروکار اہل بیت کرام نہیں ہو سکتا، جب تک کہ مذہب حق اہلسنت والجماعت اختیار نہ کرے۔ قیمت ۸/-
- کشف التلبیس حصہ دوم وسوم : جس میں فضائل صحابہ و دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۲۱/-
- علم کا ہند کی شاندار ماضی : کتاب کیا ہے ؟ گراغایہ دینی اور سیاسی معلومات کا بے بسا ذخیرہ ہے۔ سرور قیامین۔ مجلد ۹۸۶۔ قیمت ۸۶/-
- غلام احمد نمبر : اس کے پڑھنے سے کوئی معقولیت پسند انسان مرزا صاحب کے دعوئے نبوت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ قیمت ۱۰/-
- تحقیق فدک : مصنف مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری احمد لوی، نہایت بہترین لا جواب اور قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۲۱/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ حبیب الانصار و فیجر رسالہ شمس اسلام ڈاک خانہ شمس اسلام بھیرہ (پاکستان)